نمبر ۹ منشی خانہ بابت [illegible]

دستخط حضور پرنور دام ملکہ واقبالہ

از پیشگاہ حضور پرنور دام ملکہ واقبالہ

برادر عزیز القدر کے والد یعنی چچا صاحب صاحبزادہ محمد عبدالوہاب

خاں صاحب [illegible] نفوس اس ریاست اور [illegible] ریاست کے [illegible]

[illegible]

یعز عرض بندگان عالی متعالی حضور فیض گنجور معدلت دستور سعید الدولہ وزیر الملک ہز ہائینس جناب حافظ مولوی محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی سی آئی ای - دام اقبالہ

میرساند

عالیجاہا

بعد ادب گذارش ہے کہ دو تین سال پہلے میں نے اپنے والد صاحب صاحبزادہ عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ مرحوم کا سفر حج بیت اللہ شریف بہ شکل کتاب طبع کرایا تھا اس کے لئے حضور والا نے ازراہ نوازش اس کا نام اپنے نام نامی کے ساتھ شائع کرنا منظور فرمایا تھا۔ اب تابعدار ایک مختصر حال ٹونک کا لکھکر بہ شکل کتاب شائع کرانا چاہتا ہے۔ لہذا ازراہ پرورش اس کو سرکار عالی کے نام کے ساتھ معنون کرنے کی اجازت عطا فرمائی جاوے۔ واجب بود عرض نمود۔

الٰہی آفتاب دولت واقبال تاباں ودرخشاں باد۔ زیادہ حد ادب

عرضی ترقی خواہ تابعدار عبدالتواب

ممبر ہم

معروضہ ۲۸ر اگست ۱۹۳۰ء

معنون

میں بڑی خوشی اور فخر کے ساتھ اپنی اس تصنیف موسومۂ تذکرۂ ٹونک کو حضور فیض گنجور ہز ہائینس سعید الدولہ وزیر الملک نواب حافظ مولوی سر محمد سعادت علی خانصاحب بہادر صولت جنگ جی ۔سی ۔آئی ۔ای ۔ والئی ریاست ٹونک کے نام نامی کے ساتھ معنون کرتا ہوں۔

عبد التواب

۲۹/اگست۔ ۱۹۳۷ء

عمدۃ الامراء مدبر الملک معین المہام وفادار ریاست خان بہادر جناب صاحبزادہ عبدالتواب
خاں صاحب بہادر سالار جنگ ممبر کونسل ریاست ٹونک
(بعہد موجودہ)
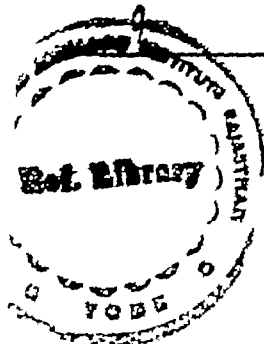
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم صلے علی محمدؐ و علی آلہ اصحابہ اجمعین برحمتک الرحمٰن الرحیم

بہ بہت روز سے ارادہ تھا کہ میں اپنا ذاتی حال اور ہمارے شہر ٹونک کا کچھ حال اور یہاں کے رسم و رواج کے متعلق کچھ حال ایک کتابی شکل میں لکھوں کہ جس سے میری اولاد اور میرے خاندان اور دیگر آدمیوں کو آئندہ اس وقت کا بطور تاریخ کے کچھ حال معلوم ہوگا اور جس سے ممکن ہے کہ کسی موقع پر کسی کو کو کچھ فائدہ ہو سکے اور اس وقت کے تمدن کا آئندہ آنے والے تمدن سے جو فرق ہو اُسے معلوم کر سکے اور جو بات جس کو بہتر معلوم ہو اُسے وہ حاصل کر سکے۔ لہٰذا بروز جمعہ بتاریخ ۱۹ ر محرم ۱۳۵۶ھ ہجری مطابق ۲ ر اپریل ۱۹۳۷ء اس کام کو خداوند تعالیٰ کے بھروسہ اور امداد پہ شروع کردیا۔ خداوند تعالےٰ نے اپنی فضل و کرم سے اور اپنے نبی محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس کو بخیر و خوبی انجام تک پہونچانے میں میری مدد فرمائی

راقم خاکسار عبدالتواب
ٹونک راجپوتانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوّاب امیرالدولہ

نواب امیرالدولہ امیرخاں صاحب بہادر شمشیر جنگ بانیٔ ریاست ٹونک بنیر کے پٹھانوں میں سے تھے اُن کے باپ دادا بنیر سے آکر سنبل میں رہے۔ چونکہ یہ نہایت دلیر اور شجاع آدمی تھے اس لئے بچپن سے اُن کے خیالات اولوالعزمی کے تھے۔ اُنھوں نے سنبل سے چل کر راہ میں بعض درویشوں کی دُعا لیتے ہوئے مختلف جگہ ہندوستان میں فوج میں ملازمت حاصل کی اور ہر جگہ جدوجہد پر ممتاز رہے۔ چونکہ اُس وقت مُغلیہ سلطنت کا آخری دَور کمزور حالت میں تھا اور ہندوستان میں طوائف الملوکی سی ہورہی تھی اور ہر جگہ جنگ و جدل جاری تھی۔ ہر ایک ایک دوسرے سے برسرپیکار تھا۔ سندھیہ و ہلکر سکھوں وغیرہ میں اور لکھنؤ دہلی وغیرہ کی طرف اسی طرح کی آگ پھیلی ہوئی تھی۔ اور راجپوتانہ میں بھی طوائف الملوکی کی آگ پھیلی ہوئی تھی۔ اس حالت میں اُنھوں نے بھی فوج کی ملازمت چھوڑکر ایک مستقل قوّت خود اپنی الگ قائم کرلی اور کبھی جو فریق مغلوب ہوتا تھا وہ اپنی امداد کے لئے بُلا لیتا تھا یا جو فریق اپنی قوّت بڑھانا چاہتا تھا وہ اُنھیں اپنی امداد کے لئے بُلا لیتا تھا۔ اس لئے بہت عرصہ اُن کا اسی قسم کی جنگ میں گذرا۔ کبھی جےپور کبھی جودھپور۔ کبھی اودےپور۔ کبھی اندور وغیرہ لڑائیوں میں اپنی قوّت کے ساتھ شامل رہے۔ جب اُن کی قوّت اعلیٰ ہوگئی تو اُنھوں نے خدا سے

فضل کے بھروسہ پر اپنی قوت بازو سے ریاست ہذا قائم کی اور ۱۸۱۷ء میں گورنمنٹ برطانیہ سے معاہدہ ہو کر ریاست ہذا مستقل ہو گئی ہے۔

شہر ٹونک کا جائے وقوع

ہمارا شہر ٹونک قریب وسط راجپوتانہ میں آباد ہے۔ ایک طرف یعنی شمال کی طرف سلسلہ پہاڑیوں کا ہے اور مشرق و مغرب اور جنوب کی طرف کاشتکاری کے میدان ہیں۔ ان میدانوں میں اچھی طرح زراعت ہوتی ہے۔ جوار۔ گیہوں۔ چنے اور جو وغیرہ ہر قسم کا غلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہاں ایک دریا جس کا نام بناس ہے۔ شہر سے کہیں ایک اور کہیں دو میل پر کہیں تین میل پر مغرب و شمال کی طرف بہتا ہے۔ موسم بارش میں بہت طغیانی پر ہوتا ہے۔ اور موسم سردی میں پایاب۔ کہیں تو آدھ گز گہرا کہیں پاؤ گز گہرا اور کہیں کچھ زیادہ پانی بہتا رہتا ہے۔ اور روز بروز کم ہوتے ہوتے گرمی کے موسم میں دھار بند ہو جاتی ہے۔ اور کہیں کہیں پانی بند جگہ رہ جاتا ہے۔ گز کا ناپ چار بالشت انسان کی ہے اور میل سترہ سو ساٹھ گز کا ہوتا ہے۔

بناس میں موسم گرما میں یہاں خربوزہ کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ قریب قریب راجپوتانہ میں ایسی کہیں نہیں ہوتی۔ یہ تو ضرور ہے کہ سب پھل شیریں نہیں ہوتے۔ بعض بعض کھٹے و ترش اور بعض پھیکے بھی ہوتے ہیں مگر جو شیریں ہوتے ہیں وہ بہت لذیذ اور اچھے ہوتے ہیں۔ اور ککڑیاں اور تربوز بھی ہوتی ہیں۔ علاوہ اس کے بناس کے اندر جو اور آلو بھی کاشت ہوتی ہیں اور یہاں شہر میں چونکہ گرمی کے موسم میں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے بہت سی مخلوق شہر سے رات کو ندی جاتی ہے۔ وہاں یعنی دریائے

بناس میں شب کو اچھی خنکی یعنی ہلکی سردی ہوتی ہے۔ چنانچہ جانے والے وہاں رات بھر رہتے ہیں۔
اور خربوزہ وغیرہ و نیز کھانے کھاتے ہیں۔ اور بوقتِ صبح شہر میں واپس آجاتے ہیں۔ یہاں ماہ مئی و
جون میں گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

سلسلۂ نسب رئیس حال

ہماری یہ ریاست ٹونک راجپوتانہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی قایمی ۱۸۱۷ء میں ہوئی
ہے۔ اس کے بانی ہمارے جدِ امجد نواب امیر خاں بہادر شمشیر جنگ ہوئے ہیں۔ اِن نواب امیر خاں صاحب
بہادر شمشیر جنگ کا اور گورنمنٹ برطانیہ کا ریاست کی قائمی کے متعلق معاہدہ نومبر ۱۸۱۷ء میں
ہوا ہے۔ جو خداوند تعالےٰ کے فضل سے اتبک بہمہ وجوہ ساتھ خیریت کے قائم ہے۔ اور
انشا اللہ قائم رہے گا۔ اس وقت رئیسِ حال جو ہیں اُن کا نام ہز ہائنس سعید الدولہ وزیر الملک
جناب نواب سر محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی۔ سی۔ آئی ای ہے آپ ۲۳ رجون
۱۹۳۰ء مطابق ۲۵ رمحرم ۱۳۴۹ھ ہجری میں گدی نشین ہوئے ہیں۔ سلسلۂ نسب یوں ہے۔
نواب محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر صولتِ جنگ ابن نواب امین الدولہ وزیر الملک
نواب سر محمد ابراہیم علی خاں صاحب بہادر صولتِ جنگ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی
ابنِ نواب یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں صاحب بہادر صولتِ جنگ۔ ابنِ نواب
وزیر الدولہ وزیر الملک نواب محمد وزیر خاں صاحب بہادر نصرت جنگ۔ ابن نواب امیر الدولہ

امیر خاں صاحب بہادر شمشیر جنگ۔ اس حساب سے موجودہ ہز ہائینس پانچویں پشت میں ہیں۔

——— میرے والد نجم الامرا احتشام الملک صاحبزادہ عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ ہز ہائینس بھائی نواب محمد علی خاں صاحب بہادر کے بیٹے اور نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب بہادر کے حقیقی بھائی تھے۔ اس لحاظ سے موجودہ ہز ہائینس میرے سگے یعنی حقیقی چچا زاد بھائی ہیں۔

ہماری ریاست ٹونک یعنی شہر ٹونک کا رسم ورواج

جو اس وقت ہے

یہاں پر اکثر قومیں ہمارے شہر میں آباد ہیں۔ خاص کر ہندو مسلمان کہ مردم شماری کے اعتبار سے ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ یہ خداوند کریم کا نہایت فضل وکرم ہے کہ ہمارے یہاں اس وقت تک کوئی قومی منافرت نہیں ہے اور نہ خداوند تعالےٰ آئندہ کرے۔ ہمارے یہاں کے ہر رئیس جو اپنے وقت میں گذرے ہیں وہ سب کے سب قومی منافرت سے جدا اور الگ رہے ہیں۔ اور ہمیشہ ہر قوم کو انصاف کی نظر سے ایک حیثیت سے دیکھا ہے۔ ہر قوم اپنے قومی رسم ورواج و رسومات مذہبی و تہوار آزادانہ طور پر اپنے مذہب کے موافق ادا کرتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں میں بڑے تہوار ہولی، دیوالی۔ تیج و راکھی وغیرہ ہیں۔ جو سب اپنی خوشی سے مناتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں عید الفطر۔ عید الضحےٰ و شبرات و محرّم وغیرہ ہیں۔ اہلِ اسلام ان سب کو بآزادی مناتے رہتے ہیں۔ ہمارے یہاں یہ اچھی بات ہے کہ محرّم میں تعزیہ داری وغیرہ

بالکل نہیں ہوتی لیتی یہ رسم ہمارے یہاں شہر میں بالکل نہیں ہوتی ہے۔
عدالت ہائے قوانین انصاف میں بھی سب کی برابر مساویانہ حیثیت ہے۔ بوجہ مذہب کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔ مثلاً ہولی کا تہوار ہے۔ اہلِ ہنود اس تہوار کو آزادی سے مناتے ہیں یعنی بآزادی جلسہ کرتے ہیں۔ رنگ وغیرہ کھیلتے ہیں۔ اسی طرح دیوالی پر اہلِ ہنود خوب خوب روشنی بازار اور اپنے مکونتی مکانات میں کرتے ہیں۔ لچھمی یعنی دولت کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ دسہرہ پر راون مارنے کا جلوس کرتے ہیں۔ ان جملہ تہوارات پر کسی قسم کی مداخلت نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمانوں میں عیدین کی نماز ادا کرنے عیدگاہ جاتے ہیں۔ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ہوتی ہے۔ شعبان کی ۱۴ اردیں کو شبرات مناتے ہیں محرم کا تہوار بھی اسی طرح منانے کے لئے آزاد ہیں۔ ہمارے یہاں عیدین کا جلوس خصوصیت کے ساتھ شاندار ہوتا ہے۔ خود سرکارِ عالی (نواب صاحب بہادر) بہ نفسِ نفیس جلوس کے ہمراہ عیدگاہ تشریف لے جاتے ہیں۔ اس موقع پر ہزارہا کی تعداد میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا راستہ بھر سڑکوں و مکانات پر ہجوم ہوتا ہے۔ اور جلوس اسطرح پر ہوتا ہے کہ سب سے اول نشان[1] کا ہاتھی پھر شتر سوار۔ اس کے بعد توپ خانہ۔ توپ خانہ میں بیل جتے ہوتے ہیں اور ایک توپ خانہ میں چھ توپیں ہوتی ہیں اور چھ بیٹیاں ہوتی ہیں۔ بیٹیاں وہ کہلاتی ہیں جن میں ہر توپ کا سامانِ جنگ بھرا ہوا ہوتا ہے توپوں میں بھی اور بیٹیوں میں بھی چار چار بیلیں ہوتی ہیں اس کے بعد سوار یعنی سواروں کا رسالہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد سرکار والا دام اقبالہ کے جلوس کی سواریاں مثلاً چند پالکیاں ہوتی ہیں۔ چند ہوادار ہوتے ہیں چند موٹریں ہوتی ہیں چند بگھیاں ہوتی ہیں جنمیں سے بعض بعض میں تو چار چار گھوڑے اور بعض میں دو دو گھوڑے جتے ہوئے ہوتے

[1] ہماری ریاست کا نشان سفید و سبز پٹیوں کا ہے

ہیں۔ اور چند موٹریں بہت عمدہ عمدہ ہوتی ہیں اور چند کوتل گھوڑے ہوتے ہیں۔ نقرئی وطلائی زیورات وزرین سامانوں سے سجے ہوئے ویسے ہی سائیسوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں اُن کے بعد پورا بینڈ باجہ ہوتا ہے باجہ میں صرف پچاس آدمی ہوتے ہیں۔ اس کے بعد پلٹن یعنی سپاہی پیدل جس کی تعداد چار سو یا پانسو ہوتی ہے۔ جو معہ وردیوں اور بندوقوں کے مسلح ہوتے ہیں۔ اُن کے بعد بیڑا قلعہ کے علاقہ کا ہوتا ہے۔ بعض بندوق لئے اور بعض زرّین جھنڈے لئے ہوتے ہیں۔ پھر نوبت اور شاہنائی والے ہوتے ہیں۔ اُن کے بعد حضور پُرنور دام اقبالہٗ بہ نفس نفیس کبھی ہاتھی پر سوار ہوتے ہیں کبھی گھوڑے پر کبھی بگھی میں سوار ہوتے ہیں۔ جس میں چار گھوڑے جتے ہوئے ہوتے ہیں۔ کبھی زرّین پالکی میں سوار ہوتے ہیں۔ جس کو آٹھ بھوئی کاندھوں پر لئے ہوتے ہیں۔ اور حضور پرنور دام اقبالہٗ پر دونوں طرف سے چنور و مورچھل ہلائے جاتے ہیں اور پیچھے اردلی میں بہت سے چوبدار چاندی اور سونے کی چھڑیاں لئے ہوئے ہوتے ہیں اور بہت سارے نقیب بھی ہوتے ہیں۔ یعنی کرکیت وغیرہ اور اردلی خاص کے آدمی ہتھیار بند اُن کے اردگرد یعنی چوطرف ہوتے ہیں۔ ہز ہائینس یعنی نواب صاحب کے پیچھے اہل خاندان گھوڑوں پر سوار کمر بندھی ہوئی و ہتھیار بند ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دوسرا رسالہ ہوتا ہے۔ جس کی تعداد ڈیڑھ سو گھوڑوں تک ہوتی ہے۔ اس کے پیچھے چند ہاتھی ہوتے ہیں۔ جو زرّیں جھولوں اور چاندی سونے کے ہودوں وغیرہ سے سجے ہوئے ہوتے ہیں اس طرح یہ جلوس آہستہ آہستہ قلعۂ امیر گڑھ سے عیدگاہ کو جاتا ہے۔ جس وقت سرکارِ عالی سوار ہوتے ہیں اُس وقت توپیں چلائی جاتی ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہو جاوے کہ سرکارِ عالی سوار ہو گئے۔ تاکہ سب نمازی وقت پر عیدگاہ پہونچ جاویں۔ اسی طرح واپسی پر یہ جلوس آہستہ آہستہ عیدگاہ

سے قلعہ امیر گڈھ واپس آتا ہے۔

چونکہ یہ جلوس بازار سے ہو کر عید گاہ جاتا اور وہاں سے واپس آتا ہے۔ اس لئے تمام بازار میں ہر دوکاندار اپنی اپنی دوکان کی خوب سجاوٹ کرتا ہے۔ اور قلعئی و مرمت کرا کے دوکان کو صاف اور ستھری رکھتا ہے۔

شہر ٹونک کا تجارتی حال

یہاں پر عام طور پر تجارت وغیرہ زیادہ تر غلہ اور کرانہ یعنی چھالیہ۔ کتھا چاول گڑ اور شکر وغیرہ اور بساطخانہ لوہا۔ تانبا۔ پیتل اور اسٹیل کی چادریں جو مکان پر ڈالی جاتی ہیں۔ اور المونیم و چینی کے برتن دبلوری برتن و کپڑے کی ہوتی ہے اور یہ تمام چیزیں باہر سے آتی ہیں اور یہاں سے جو چیزیں باہر جاتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

روئی۔ اون۔ چمڑا۔ زیرہ۔ اناج وغیرہ یہاں ہر قوم کا آدمی تجارت کرتا ہے۔ لیکن تجارت میں زیادہ تر حصہ اہلِ ہنود کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی سبب سے بہ نسبت اور قوموں کے وہ آسودہ حال ہیں۔ بہت سے مسلمان بھی تجارت کرتے ہیں۔ اور اُن میں بھی بعض بعض آسودہ ہیں۔ لیکن تجارت میں کثرت اہلِ ہنود ہی کی ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کو تجارت میں زیادہ ڈھب اور مہارت نہیں ہے۔ اور اصولِ تجارت سے بھی وہ ناواقف ہیں اور بدیں وجہ مسلمانوں کو تجارت سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ اور ایک بڑا نقص عام طور پر مسلمانوں میں یہ ہے کہ اپنی آمدنی سے

زیادہ صرفہ کرتے ہیں۔ اس لئے اِن میں آسودگی کم ہے۔ مسلمان زیادہ تر نوکری پیشہ ہیں۔ یہاں پر دو قومیں
عام طور پر اپنے گھر بار سے خوش ہیں۔ یعنی کھاتے پیتے ہیں۔ بغیر کسی محتاجگی کے۔ ایک تو بنیئے مہاجن اور دوسرے
مزدوری پیشہ لوگ، کولی، چمار وغیرہ۔ یہاں پر تجارت اور آمد و رفت کی آسایش کے لئے دو بڑی لمبی پختہ
سڑکیں ریاست کی طرف سے بنی ہوئی ہیں۔ علاوہ دیگر خام راستوں کے ایک پختہ سڑک ٹونک سے جے پور
تک گوشۂ شرق و شمال کی طرف بنی ہوئی ہے۔ جس کی کل مسافت ساٹھ ۶۰ میل ہے یعنی تیس ۳۰ کوس۔
دوسری پختہ سڑک ٹونک سے جانبِ جنوب دیولی ہوتی ہوئی اجمیر شریف اور ریاست ہائے بوندی و کوٹہ کی
طرف جاتی ہے۔ یہاں سے دیولی ۴۰ میل ہے۔ دیولی سے ایک سڑک اجمیر کو جاتی ہے اور ایک ریاست
بوندی و کوٹہ کی طرف جاتی ہے۔ یہاں سے اجمیر شریف براہ راست خام راستہ سے اسّی ۸۰ میل ہے۔ مگر
پختہ سڑک پر دیولی ہو کر جانے میں ایک سو بارہ ۱۱۲ میل کا فاصلہ ہے (ایک میل سترہ سو ساٹھ ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے اور
دو میل کا ایک کوس) مؤخر الذکر راستہ سے جانیکی حالت میں آسانی یہ ہے کہ چونکہ موٹریں وغیرہ کرایہ پر
چلتی ہیں۔ اس لئے صرف سات آٹھ گھنٹہ میں یہاں سے اجمیر شریف پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں سے دیولی
ہو کر بوندی کا راستہ ستر میل ہے۔ بوندی سے کوٹہ بائیس میل اور آگے ہے۔ کوٹہ سے پھر ریل ملجاتی ہے
اور جو سڑک یہاں سے پختہ جے پور گئی ہے اور جے پور سے دہلی اور آگرہ تک پختہ سڑکیں گئی ہیں۔ اون کا
سلسلہ اس سڑک سے ملجاتا ہے۔ اس لئے مسافرت میں آگرہ۔ دہلی۔ جے پور و اجمیر جانے میں بڑی سہولیت و
آسانی ہے۔ ٹونک سے ریلوے اسٹیشن بھی صرف بیس ۲۰ میل ہے۔ نوائی ریلوے اسٹیشن سے یہاں تک بھی
پختہ سڑک ہے اور یہی وہ سڑک ہے جو ٹونک سے جے پور گئی ہے نوائی ہوتی ہوئی۔ یہاں پر ایک مدت دراز
سے اس بات کی اس سفر میں مسافران کو بڑی تکلیف تھی کہ بارش کے موسم میں بوجہ ندی بناس ہونیکے
ندی کو ناؤ سے عبور کرنا ہوتا تھا۔ اس میں پورا ایک ایک دن صرف ہو جاتا تھا اور تمام سامان

اس طرف سے دوسری طرف کنارہ تک کشتیوں پر لے جانا اور پھر وہاں پر دوسری
سواریوں پر بار کرنا ہوتا تھا- اس سے بڑی دشواری اور تکلیف تھی- بعض موقع پر جب بناس ندی زیادہ
چڑھاؤ پر ہوتی تھی اور ناؤ نہیں لگتی تھی تو کئی کئی روز تک ندی کے کناروں پر پڑا رہنا پڑتا تھا- اب خدا کے
فضل سے ہمارے سرکار عالی ہز ہائینس نواب سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر
صولت جنگ کے عہد میں یہ نہایت سخت تکلیف رفع ہو گئی ہے اور وہ اسطرح کہ آپ نے کئی لاکھ روپیہ سے
ندی بناس پر ایک پُل بنا دیا ہے- جسکو بتاریخ ۱۶؍ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء تمام مسافران کی آمد و رفت کے لئے
کھولا گیا ہے- جس سے صرف ایک ٹونک ہی کے باشندوں کو نہیں بلکہ سینکڑوں کوس کے آدمیوں و دیگر
ریاستوں کی رعایا کو بھی بیحد نفع پہنچا ہے اور ایک منٹ کی بھی اب ندی پار پہونچنے میں دیر نہیں لگتی ہے
جو سواریاں آتی ہیں خواہ بار برداری کی ہوں یا دوسری سب پُل پر سے اُسی وقت گذر جاتی ہیں- کسی کو
کسی قسم کی اب بفضلہ تعالیٰ تکلیف و دقت نہیں ہوتی-

شہر ٹونک کے بازار سب پختہ حالت میں ہیں- یعنی سڑکیں پختہ ہیں اور تمام دوکانیں پختہ ہیں-
دوکانوں پر پختہ چھتیں ہیں- ان چھتوں پر بھی ایک منزلہ و دو منزلہ مکانات ہیں- بازار کی سڑک بہت اچھی
چوڑی ہے- چار پانچ سواریاں بیک وقت برابر اچھی طرح نکل سکتی ہیں- اندرون شہر بہت مکانات تو پختہ
ہیں اور بہت خام بھی ہیں- یعنی مٹی کی دیواریں اور اُن پر چھپر و کھپریل وغیرہ پڑے ہوئے ہیں- چھپر محض پتی کا

ہوتاہے اور کھپریل اس کو کہتے ہیں کہ ڈانڈے ڈالکر اور اوپر پنی اور سر (تیر) بچھاکر اوپر کویلو سارتے ہیں۔ کویلو۔ مٹی کا بالشت دو بالشت کا ایک ٹکڑا بھٹی میں پکا ہوتا ہے یعنی آگ میں۔ اسکے دو طرف کور یں ہوتی ہیں۔ بہ نسبت پنی کے چھپر کے کھپریل زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔

انتظام مال

ہماری ریاست میں چھ پرگنہ ہیں۔ پرگنہ اوس کو کہتے ہیں جسے گورنمنٹ کے یہاں صوبہ کہتے ہیں یعنی ریاست کی عملداری کا ایک حصہ جس کا افسر اعلیٰ ناظم ہوتا ہے۔ ناظم کے علاوہ پولیس افسر مجسٹریٹ اور منصف یعنی دیوانی کا افسر ہوتے ہیں۔ ان چھ پرگنات کے ناظم ماتحت ممبر مال کے ہوتے ہیں۔ جو صدر میں رہتے ہیں۔ ہر پرگنہ میں کسی میں دو سو ۲۰۰ کسی میں ڈہائی سو ۲۵۰ کسی میں تین سو ۳۰۰ کسی میں چار سو ۴۰۰ کسی میں اس سے بھی زیادہ دیہات یعنی گاؤں ہیں گاؤں میں مال کی وصولی کے دو طریقہ ہیں۔ ایک تو لگان کا جس کو ضبطی بھی کہتے ہیں۔ دوسرا لٹائی کا جس کو بانٹا بھی کہتے ہیں۔ ضبطی کا یہ طریقہ ہے کہ گاؤں کی تمام زمین ناپی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اوس میں دو روپیہ بیگہ یا ڈہائی روپیہ بیگہ یا تین روپیہ بیگہ جس طرح لگان مقرر کیا گیا ہو اور اوسی حساب سے زمینداروں سے نقدی کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے۔ چاہے پھر اوس بیگہ زمین میں دس کی آمدنی ہو یا بائیس کی یا پچیس کی وہ سب زمینداران کی ہے یا اگر ایک آنہ بھی پیدا نہ ہو تو سرکار وہی لگان مقررہ لے لیتی ہے اور جو نفع و نقصان رہتا ہے وہ تمام زمینداران کا ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ لٹائی یا بٹائی کا ہے اور وہ اسطرح کہ ایک بیگہ زمین میں جو بھی پیدا ہو اوس کا آدھا حصہ یا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ جیسا بھی مقرر ہو

پیداوار کا لے لیا جاتا ہے۔ باقی جو بچتا ہے وہ زمیندار کا ہے اور اگر کچھ بھی پیدا نہ ہوا تو کچھ بھی نہیں لیا جاتا میرے ذاتی خیال میں بٹائی کا طریقہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اگر کچھ پیداوار ہو تو بانٹ لیا گیا اور کچھ بھی پیدا نہ ہوا تو کچھ بھی نہیں بانٹا گیا۔ زمینداران پر اس طریقہ میں کچھ بقایا نہیں رہتا اور ضبطی کی صورت میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ زمینداران پر سالہا سال کا بقایا رہتا ہے اور اس بقایا میں اونکے مال و مویشی وغیرہ قرق و نیلام کئے جاتے ہیں جس میں زمینداران کا بھی نقصان ہوتا ہے اور بدنیت افسران کو بھی زیادتی کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور سرکاری رقم بھی بہت بقایا میں رہ جاتی ہے۔ برخلاف اس کے بٹائی میں کبھی کسی حالت میں بھی زمیندار پر بقایا نہیں رہتا۔ جو کچھ پیدا ہوا بانٹ لیا اور اگر نہیں پیدا ہوا تو کچھ بھی نہیں بانٹا گیا۔ یہ بٹائی کا طریقہ قدیم صدہا سال سے ہندوستان میں مروّج ہے اور یہ ضبطی کا قاعدہ صرف سَو۔ دو سَو سال ہی سے جدید جاری ہوا ہے

انگریزی سال و سنہ کے حساب سے یہاں پر ۱۵ر جون سے بارش کا موسم شروع ہوتا ہے اور ۱۵ر اکتوبر تک رہتا ہے۔ ۱۵ر اکتوبر سے پھر ہلکی سردی شروع ہو جاتی ہے اور ۱۵ر فروری تک موسم سردی کا رہتا ہے۔ اس کے بعد یعنی ۱۵ر فروری سے موسم گرمی کا شروع ہوتا ہے اور ۱۵ر جون تک ختم ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں ۱۵ر جولائی سے ۱۵ر ستمبر تک منجملہ موسم بارش کا سمجھا جاتا ہے۔ جس میں کہ بارش زیادہ ہوتی ہے۔ جس سے تالاب وغیرہ بھر جاتے ہیں اور دریا میں سیلاب وغیرہ آجاتے ہیں اور دسمبر و

جنوری میں سخت سردی پڑتی ہے۔ ان مہینوں میں اکثر اسقدر سردی ہوتی ہے کہ رات کو پانی جم جاتا ہے۔ یعنی پانی منجمد ہو کر برف ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پانچ چھ سال کا عرصہ ہوا جب انھیں مہینوں میں اسقدر سردی ہوئی تھی کہ ندی بناس کے پانی پر پپڑی جم گئی تھی۔ اسی طرح مئی و جون میں بہت سخت گرمی ہوتی ہے اور بہت گرم ہوا چلتی ہے جسکو یہاں کے رواج یا اصطلاح میں لو بھی کہتے ہیں۔ بعض سال میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس لو سے آدمی ضایع ہو جاتے ہیں۔ یہاں کے بعض دیہات میں تو کنویں اور تالاب وغیرہ ہیں چنانچہ ادن پر اور بعض گاؤں میں بارش پر ہی کھیتی کا دار و مدار ہے۔ اگر بارش نہ ہو تو بہت سخت گرانی ہو جاتی ہے۔ یوں تو یہاں پر آٹھ دس سال کے درمیان قحط پڑتا رہتا ہے۔ لیکن ۱۸۹۹ء کا قحط نہایت بڑا اور سخت قحط تھا۔ جس کو یہاں پر چھپن کا قحط بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سال جسمیں یہ قحط پڑا ۱۹۵۶ء بکرمی (مطابق ۱۸۹۹ء) تھا اس سال یہاں پر بارش بالکل نہیں ہوئی تھی جس سے ایسا قحط اور گرانی ہوئی کہ خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ ایسا کسی کو نہ دکھائے۔ میں نے اس موقع پر خود یہ دیکھا ہے کہ جنگل میں بیسیوں مردہ پڑے ہوئے تھے اور گاڑیوں میں بھر بھر کر لائے جاتے تھے اور صدہا آدمی کنگلے یعنی محتاج گاؤں در گاؤں جنگل در جنگل پھرتے پھرتے تھے نہ ماں باپ کو اولاد کی اور نہ اولاد کو ماں باپ کی پروا تھی۔ سینکڑوں مرے ہوئے جانوران کے ڈھانچے جنگل میں پڑے ہوئے نظر آتے تھے اور یہاں سینکڑوں جانوران جو حلال ہوتے تھے اونکا سینکڑوں آدمی خون پی پیکر زندگی بسر کرتے تھے لیکن پھر بھی بہت مر جاتے تھے۔ خداوند کریم ایسا وقت کبھی کسیکو نہیں دکھائے آمین! ریاست کی طرف سے کھانے وغیرہ کا بہت انتظام تھا لیکن اس پر بھی ایسی حالت تھی اوس زمانہ میں میرے والد نجم الامرا احتشام الملک صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ مرحوم

محکمہ فوج میں جرنیل کے عہدہ پر تھے اور اوسوقت قحط سالی کے سبب سے ریاست میں بہت سی جگہ تالاب وغیرہ کے کھودنے اور عمارات کی مرمت و تعمیر وغیرہ کے کام بھی جاری کئے تھے تاکہ مخلوق کی شکم پوری ہو چنانچہ اسی سلسلہ میں اوس موقع پر قلعہ محمد گڈھ کی مرمت اور تعمیر بھی ہو رہی تھی جس کو دیکھنے کی غرض سے وہاں (جو یہاں شہر ٹونک سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے) والدصاحب موصوف تشریف لے گئے تھے تو میں بھی اونکے ہمراہ چلا گیا تھا لہذا اُس وقت میں نے بچشم خود دیکھا تھا کہ دیہات میں جو مرے ہوئے آدمی پڑے تھے اونہیں کوئی بھی اُٹھانے اور دیکھنے والا تک وہاں نہ تھا۔ یہ قحط قریب قریب تمام ہندوستان ہی میں تھا۔ اوسوقت کے اُجڑے اور بگڑے ہوئے گاؤں اور قصبہ برسوں تک پوری طرح آباد نہیں ہو سکے ہیں۔ ریاست کی طرف سے ہر طرح کی امداد جو ممکن ہو سکی دی گئی اور جو آسودہ لوگ تھے اونھوں نے بھی اوس موقع پر چندہ کر کے جسقدر ممکن ہوئی امداد بہم پہنچائی۔ اب پھر موسم کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے جس طرح انگریزی مہینوں میں موسموں کا لحاظ ہے اوسی طرح ہندی مہینوں میں بھی اسکا شمار اور حساب ہے۔ ان ہر دو طریقوں میں یعنی عیسوی اور ہندی حساب میں جو موسم جس مہینہ میں آتا ہے وہ اوسی مہینہ میں آئندہ بھی آتا ہے۔ یعنی برقرار رہتا ہے اس لئے کہ دونوں طریقہ شمسی حساب سے ہیں۔ ہندی میں بارش کے مہینہ اساڑھ۔ ساون۔ بھادوں اور کنوار اور سردی کے مہینہ کاتک۔ اگھن۔ ماہ اور پوس اور گرمی کے مہینہ پھاگن۔ چیت۔ بیساکھ اور جیٹھ ہیں۔ ان مہینوں میں یہ موسم ہمیشہ برقرار رہتا ہے اور اسی طرح انگریزی مہینوں میں جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے یعنی ۱۵ رجون سے جولائی۔ اگست۔ ستمبر۔ اور ۱۵ راکتوبر تک بارش کا موسم رہتا ہے اور پھر یعنی ۱۵ راکتوبر سے نومبر۔ دسمبر جنوری اور ۱۵ رفروری تک سردی کا موسم ہوتا ہے اور ۱۵ رفروری سے مارچ۔ اپریل۔ مئی اور ۱۵ رجون تک گرمی کا موسم رہتا ہے۔

ان انگریزی مہینوں میں بھی اوسی حساب سے موسم برقرار رہتا ہے اور جو قمری حساب سے مہینہ و سال ہیں۔ جیسے ہمارے یہاں کا سنہ ہجری اور اس کے مہینہ ان میں موسم برقرار نہیں رہتا۔ ہمیشہ پھرتا ہوا رہتا ہے مثلاً کبھی محرم میں بارش آگئی تو کبھی گرمی۔ کبھی شعبان میں بارش ہوگئی تو کبھی سردی۔ کبھی شوال میں سردی ہوگئی تو اوس میں کبھی گرمی۔ گویا ہر سال ہر مہینہ میں موسم پھرتا ہوا رہتا ہے۔ سنہ ہجری کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱ محرم۔ ۲ صفر۔ ۳ ربیع الاول۔ ۴ ربیع الثانی۔ ۵ جمادی الاول ۶ جمادی الثانی۔ ۷ رجب۔ ۸ شعبان۔ ۹ رمضان ۱۰ شوال۔ ۱۱ ذیقعدہ۔ ۱۲ ذی الحجہ۔

حالاتِ فصل

سال میں ہمارے یہاں دو فصلیں ہوتی ہیں۔ اوّل فصل خریف۔ دوسری فصل ربیع۔ فصل خریف تو بارش کے موسم میں کاشت کی جاتی ہے یعنی جولائی میں تل۔ مکا۔ جوار۔ اُرد۔ مونگ۔ موٹھ۔ باجرہ کپاس یعنی روئی۔ سن۔ گنا وغیرہ پیداوار اس فصل کی ہے اور دوسری فصل ربیع آخر اکتوبر و نومبر میں کاشت کی جاتی ہے۔ جس کی پیداوار جو۔ نخود یعنی چنا۔ گندم یعنی گیہوں۔ السی۔ زیرہ۔ دھنیا وغیرہ ہیں۔ یہاں ہر سال بارش کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ خدانخواستہ بارش نہ ہو تو دونوں ہی فصلوں کی پیداوار نہیں ہوتی۔ عام زراعت کا دارو مدار بارش ہی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ تالاب اور کنوؤں سے تھوڑی بہت ہی کاشت ہوسکتی ہے۔ عموماً نہیں اور تالابوں وغیرہ میں بھی اگر بارش ہو تو پانی ہوتا ہے ورنہ

وہ خشک ہوجاتے ہیں۔

ہمارے یہاں کی کاشت زراعت کا طریقہ

یہاں پر عام طور سے تمام دیہات میں کھیتی واسطے زمین دو آلات سے تیار کی جاتی ہے اور پھر کاشت کیجاتی ہے۔ ایک کا نام ہل ہے دوسرے کا کلی۔ انھیں دو آلات سے زمین کو نرم کیا جاتا ہے جس کو یہاں زمین جوتنا کہتے ہیں۔ ہل سے چھ سات انگل گہری اور آٹھ سات انگل چوڑی زمین جہانتک ہل چلے پھٹتی جاتی ہے اور کلی سے بالشت دو بالشت زمین چوڑی اور پانچ سات انگل گہری زمین پھٹتی جاتی ہے۔ اسطرح پورے کھیت کو ہل کلی سے تیار کرتے ہیں۔ جب تمام زمین تیار یعنی نرم ہوجاتی ہے تو اوس زمین میں پھر کاشت کیجاتی ہے اور جب کھیتی تیار ہوجاتی ہے تو پھر اوس کو ایک اوزار درانتی ہوتا ہے۔ اوس سے کاٹتے ہیں۔ لیکن گیہوں۔ چنے وغیرہ ہاتھ سے اکھاڑے جاتے ہیں۔ یہاں سال میں فصل اچھی ہونیکے لئے کم سے کم جولائی۔ اگست۔ ستمبر ان تین مہینوں میں بارش برابر ہونی چاہیئے اور اگر ایسی یعنی برابر بارش نہ بھی ہو تو چھ چھ دن کے فاصلے سے تو ضرور ہی ہونا چاہیئے۔ اگر ایسی بارش نہ ہو تو فصلیں خراب ہوجاتی ہیں۔ اور قحط سالی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ گیہوں چنے وغیرہ کو جب بوتے ہیں تو اوس کو اورنی کہتے ہیں۔ یہ ایک پولی بانس کی لکڑی ہوتی ہے اور اوس کا اوپر کا منہ چوڑا بنا دیا جاتا ہے تاکہ اسمیں ناج ڈالنے میں آسانی رہے۔ اُس کو ہل کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور

اور پھر ہل کو چلاتے ہیں اور اوس میں اناج ڈالتے رہتے ہیں جو نلکی میں سے ہل کے ساتھ زمین کے اندر داخل ہوتا جاتا ہے۔ جوار۔ تل۔ مکا وغیرہ کو ویسے ہی ہاتھ سے پھینک دیتے ہیں اور ہل چلا دیتے ہیں۔ اسطرح سے یہاں کاشت کرتے ہیں۔

طریقۂ نظام ریاست جو اس وقت یہاں مروّج ہے

سب سے بڑا محکمہ بجائے وزارت کے محکمہ محتشمہ کونسل ہے۔ کونسل کے چار ممبر ہیں۔ انھیں چار ممبروں میں سے ایک ممبر وائس پریزیڈنٹ ہوتا ہے۔

چار ممبران حسب ذیل ہوتے ہیں:۔

(۱) ممبر فنانشل یعنی خزانہ

(۲) ممبر ہوم

(۳) ممبر جوڈیشل

(۴) ممبر مال

ہر ایک ممبر کے ماتحت چند صیغہ جات ہیں مثلاً ممبر فنانشل کے ماتحت خزانہ ریاست۔ محکمہ سایر۔ محکمہ تعمیرات

محکمہ پولیس و محکمہ ٹکسال وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ممبر ہوم کے ماتحت وکالتیں۔ معاملات اہل خاندان۔ محکمہ شرع شریف۔ موٹرخانہ
بگی خانہ۔ اصطبل۔ شکار خانہ۔ اسی طرح دیگر کارخانہ جات اور محکمہ اسپیشل کورٹ آف وارڈس ہیں۔ ممبر جوڈیشل
کے ماتحت محکمہ فوجداری۔ محکمہ دیوانی۔ محکمہ سشن ججی۔ محکمہ نزول۔ شفاخانہ جیل اور میونسپل کمیٹی وغیرہ ہیں۔
ممبر مال کے ماتحت جنگلات اور نظامت ہائے پرگنات وغیرہ ہیں۔ ہر ممبر کے جو جو صیغہ متعلق ہیں اون سب کا وہ
نگراں اور اعلیٰ افسر ہے اوسے اپنے صیغہ جات کے متعلق ایک حد تک کامل اختیارات ہیں۔ اگر ممبر کے اختیارات سے
کوئی بات زائد ہوتی ہے یا کوئی ریاست کا اہم معاملہ ہوتا ہے یا کوئی جدید قانون وغیرہ کا معاملہ ہوتا ہے تو پھر وہ
محکمہ کونسل عالیہ میں پیش ہوتا ہے اور کونسل جہانتک بھی اوس کے اختیارات ہیں وہاں تک اوس کا تصفیہ کردیتی
ہے اور جو معاملات کونسل کے حد اختیارات سے زائد ہوں یا کوئی خاص پولیٹکل یا پرائیویٹ معاملات ریاست کے
ہوں وہ کونسل عالیہ سے حضور انور دام اقبالہٗ کے اجلاس میں پیش کئے جاتے ہیں اور جو آخری حکم حضور انور
دام اقبالہٗ کے پیش گاہ سے ہوتا ہے۔ وہی واجب التعمیل ہوتا ہے۔ اسی طرح معاملات دین لین قرض وغیرہ
کے متعلق یہ نظام ہے کہ پہلی عدالت جس میں مقدمہ ہوتا ہے عدالت دیوانی ہے وہاں سے جو فیصلہ ہو جائے
اوس سے اگر کوئی فریق ناراض ہو تو پھر اوسکا اپیل محکمہ سشن ججی میں ہوتا ہے اور فریقین مقدمہ میں سے کوئی
اگر وہاں کے دیئے ہوئے فیصلہ سے بھی ناراض ہو تو پھر چیف کورٹ میں اوسکا اپیل ہوتا ہے۔ مارپیٹ۔ چوری
ڈکیتی وغیرہ کے مقدمات کی سماعت وداد رسی کے لئے سب سے پہلا محکمہ پولیس کا ہے جس میں کوتوالی وغیرہ
سب شامل ہیں۔ پولیس گرفتاری تفتیش وغیرہ ضابطہ کے موافق کرکے مقدمہ عدالت مجسٹریٹی میں پیش کرتی
ہے۔ علاوہ عدالت مجسٹریٹی کے اُس کو عدالت فوجداری بھی کہتے ہیں۔ جہاں اوسکا فیصلہ ہوتا ہے اور وہاں
بھی کوئی فریق اگر فیصلہ سے ناراض ہو تو اوسکا اپیل سشن کورٹ اور پھر چیف کورٹ میں کیا جاتا ہے۔ ہر عدالت کا

فرض ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ کے بیانات قلمبند کرے اور مدعی سے ثبوت و گواہ پیش کرائے اور اس کے بعد مدعا علیہ سے اوس کا تردیدی ثبوت و گواہ پیش کرائے اس کے بعد جو یہاں قانون مروج ہے اوس کے موافق بعد ثابت ہونے کے مقدمہ کا فیصلہ کرے اتنی عدالتوں کے مقرر کرنے وغیرہ کے معنی اور اوس کا منشا یہی ہے کہ اگر کسی عدالت سے کسی امر ضابطہ میں فرو گذاشت ہو جاوے تو دوسری عدالت میں جا کر صاف ہو جاوے۔

حال رئیسان

میں نے اس وقت تک دو رئیسوں کا زمانہ دیکھا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے میں دونوں کے ہمراہی سیر و تفریح اور ان کی خدمت گذاری و ہمرکابی میں ہر وقت رہا ہوں اور بفضلہ تعالیٰ دونوں رئیس مجھ سے خوش رہے ہیں دونوں رئیسوں میں ایک تو میرے چچا امین الدولہ وزیر الملک نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ اور دوسرے میرے چچا زاد بھائی رئیس حال ہز ہائینس سعید الدولہ وزیر الملک نواب سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ان دونوں رئیسوں کے زمانہ میں مجھے ریاست کے کام کرنے کا اعزاز بھی خدا کے فضل و کرم سے حاصل رہا ہے اب ان ہر دو رئیسوں کا تھوڑا تھوڑا حال جس سے آپ کے اوصاف۔ اخلاق۔ عادات اور وضعداری وغیرہ کا اظہار ہو گا لکھ رہا ہوں۔

ہز ہائی نس امین الدولہ وزیر الملک نواب سر محمد ابراہیم علیخان صاحب بہادر صولت جنگ

جی - سی - آئی - ای - جی - سی - ایس - آئی

نواب امین الدولہ وزیر الملک سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ کا عہد حکومت ترسٹھ[٦٣] سال رہا ہے۔ اتنا دراز زمانہ کسی اور کو کم نصیب ہوا ہوگا۔ آپ بڑے رحمدل۔ سادہ مزاج و غیر متعصب تھے۔ شکار کا شوق تھا مگر کم تھا۔ اس ریاست میں جس قدر محکمہ جات قائم ہیں۔ یہ سب آپ ہی کے عہد میں ہوئے ہیں۔ اور بازار کی سڑکیں۔ دوکانات پختہ وغیرہ بھی آپ ہی کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ شہر میں عمدہ عمدہ کوٹھیات اور مکانات بھی اکثر آپ ہی کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ مثلاً کوٹھی عیدگاہ باغ۔ پہاڑی بنگلہ گیسٹ ہاؤس یعنی مہمان خانہ۔ کالی پہاڑیہ کی کوٹھی اور کونسل کا مکان۔ شفا خانہ اور مدرسہ کی عمارت۔ جیل خانہ۔ کچے بندے اور پکے بندے کی کوٹھیاں اور تمام ریاست کے دفتروں کی عمارات اور ممبر صاحب جوڈیشل۔ ممبر صاحب مال اور ممبر صاحب فنانشل کی کوٹھیاں۔ بینڈ ماسٹر کی کوٹھی اور ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی اور پختہ محلات نندباغ اور مدرسہ اور جامع مسجد وغیرہ سب گویا سرکار مرحوم کی ہی یادگار ہیں۔ ان میں خاص کر دو عمارتیں تو بڑی ہی قابل دید ہیں۔ ایک تو جامع مسجد شہر ٹونک کی جو بڑی عالیشان اور بہت پختہ اور نہایت
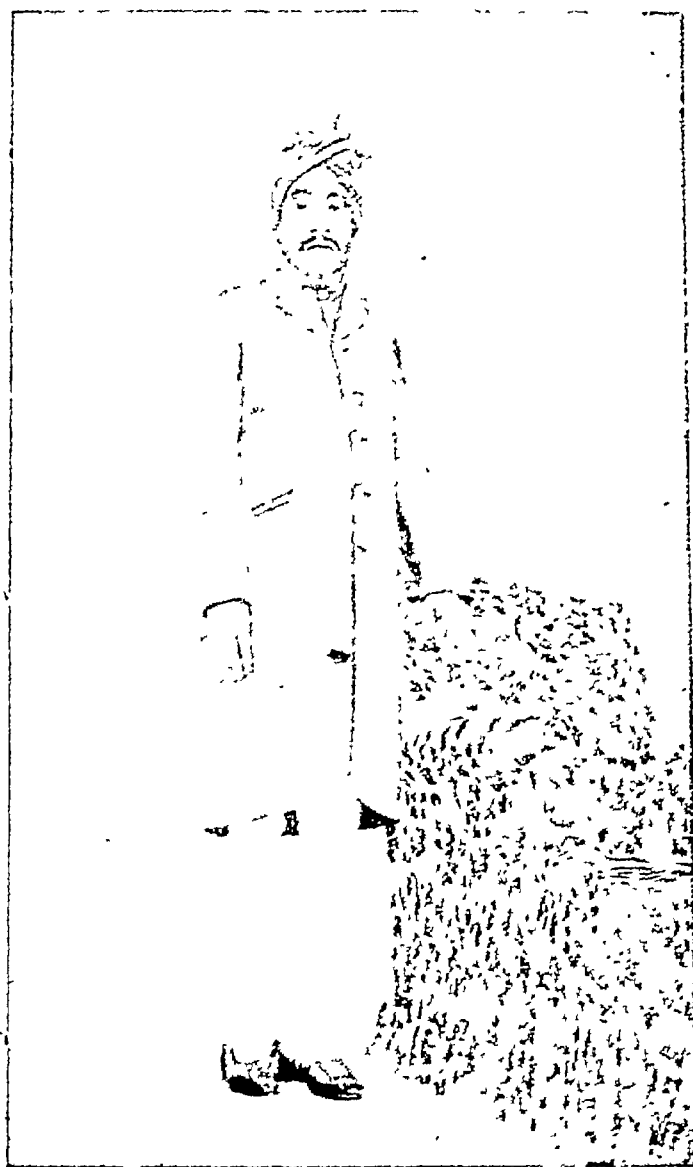
ہزہائنس امین الدولہ وزیر الملک نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر
صولت جنگ - جی - سی - آئی - ای - جی - سی - ایس - آئی - مرحوم و مغفور

خوبصورت ہے اور جو امیر گنج کے بازار میں بنی ہوئی ہے اس کے مینار بہت بلند ہیں میناروں کے اندر اوپر تک چڑھنے جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ مینار اس قدر بلند ہیں کہ راجپوتانہ میں ایسے بلند مینار کسی عمارت میں نہیں پائے جاتے ہیں اور یہ مینارے تین چار میل سے نظر آتے ہیں۔ دوسری عمارت نذر باغ کی خاص بارہ دری ہے۔ اسمیں جو منقش کام اور آئینہ بندی اور چاندی سونے کے نقش و نگار اور بہت باریک میناکاری نہایت عمدہ ہے وہ قابل دیکھنے کے ہے۔ بہت سے بڑے بڑے یورپین صاحبان نے اسے دیکھکر بہت ہی پسند کیا ہے اور بعض صاحبان نے تو یہاں تک ظاہر کیا ہے کہ ایسی صنعت اور حرفت ہم نے اور کہیں نہیں دیکھی۔ یہ دونوں چیزیں بھی جیسا کہ اول بیان کر دیا گیا ہے کہ بعہد نواب ابراہیم علیخانصاحب بہادر مرحوم مغفور جنت آرام گاہ تیار ہوئی ہیں۔ ان دونوں عمارتوں سے یہاں کے کاریگروں کی اہلیت اور صناعی خوب ظاہر ہوتی ہے۔

نواب صاحب بہادر ممدوح پوشاک اکثر سادہ پہنا کرتے تھے مہمان نوازی خاص آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا چشم مروت بھی آپ میں بہت تھی۔ مولود شریف کا بھی آپ کو بہت شوق تھا گویا کہ قریب قریب عشق سا تھا۔ اور میلاد شریف کے متعلق بہت سا سامان گنگا جمنی وغیرہ آپ ہی کے شوق کی وجہ سے آپ ہی نے بنوایا تھا۔ ہر سال شہر میں نو دس سات دن تک بڑے دھوم دھام سے ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے۔ کل نذر باغ میں روشنی ہوتی تھی اور جو ابتک چلی آرہی ہے اور ہر خاص و عام کو خواہ کوئی مذہب والا ہو جو بھی اس میں شریک ہوتا تھا۔ شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی آدمی پر بوجہ کسی قسم کی ناراضی کے کوئی سختی ہو گئی تو اوس پر آپ کو بہت ندامت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ روپیہ پیسہ بلکہ آپ اوس سے معافی تک کے خواستگار ہو جایا کرتے تھے۔ اکثر جاگیرات وغیرہ دینا اور انعام اکرام داد و دہش بہت زیادہ فرماتے تھے۔ آپ نہایت دریا دل و سیر چشم و حوصلہ مندو

حاکم وقت تھے۔ نماز کے آپ بہت پابند تھے۔ وظائف اکثر پڑھا کرتے تھے۔ آپ پکّے مسلمان حنفی مذہب تھے۔
آپ نہایت خوبصورت۔ جامہ زیب۔ نقشہ کھڑا آنکھیں اچھی اور قد نہ بہت لمبا اور نہ چھوٹا گویا میانہ قد تھے۔
چندلائی کا بند بھی آپ ہی کے عہد میں تیار ہوا ہے۔

رئیس حال ہز ہائینس نواب سر محمد سعادت علیخانصاحب بہادر صولت جنگ

جی۔ سی۔ آئی۔ ای

رئیس حال سعید الدولہ وزیر الملک محمد سعادت علیخانصاحب بہادر صولت جنگ کو گدی نشین ہوئے یہ آٹھواں سال شروع ہے۔ آپ بھی مثل اپنے والد کے سادہ مزاج اور بالکل غیر متعصب ہیں۔ آپ کو عربی کے علم میں پورا عبور حاصل ہے اور آپ ذی علم ہیں اور حافظہ قران شریف بھی ہیں۔ آپ میں بھی مروت ہے آپ کی عہد حکومت کی اس تھوڑی سی مدت میں کئی بڑے بڑے کام ہوئے ہیں ایک تو منجملہ ان کے سعادت شفاخانہ ہے۔ یہ عمارت بڑی عمدہ قابل دیکھنے کے ہے۔ اِسے دور دور کے لوگ آکر دیکھتے اور خوش ہوتے ہیں۔ بیماروں کے آرام و آسایش کے لئے بہت سے آلات وکمرے اور سامان ہیں اور کئی ڈاکٹر علاج وغیرہ کے لئے مقرر ہیں۔ دوسرا سب سے بڑا کام جو آپ کے زمانہ میں ہوا وہ ندی بناس کا پُل ہے جو کئی لاکھ روپیہ سے تعمیر ہوا ہے اور جس سے ہزارہا مخلوق کو بہت آرام اور آسایش ہوگئی ہے

ہز ہائینس سعید الدولہ وزیر الملک نواب سر محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر
صولت جنگ جی سی۔ آئی۔ ای۔ والئی ریاست ٹونک

بارش کے موسم میں جب یہ پُل تعمیر نہیں ہوا تھا اوس وقت یہاں کی رعایا اور مسافران کو سخت تکلیف ہوا کرتی تھی جو خدا کے فضل و کرم سے اس پُل کے بن جانے سے سب دور ہوگئی۔ اس کا افتتاح ۱۶ ؍ جولائی ۱۹۲۶؁ء کو ہوا ہے۔ اس کا نام فریزر برج رکھا گیا ہے۔ جس زمانہ میں یہ پُل تیار ہوا یہاں وائس پریزیڈنٹ کونسل ؁ میجر فریزر تھے۔ اس لئے سرکار عالی نے اس پُل کا نام انھیں کے نام پر رکھا ہے۔ حالانکہ نام رکھتے وقت انھوں نے انکار بھی کیا تھا۔ اس کے افتتاح کے موقع پر آنریبل ایجنٹ گورنر جنرل بہادر راجپوتانہ لفٹیننٹ کرنل سر جارج اوگلوی صاحب خود تشریف لائے تھے اور ندی کے کنارہ ایک بڑا دربار منعقد کیا تھا اور سرکار عالی نے اوسمیں تقریر فرمائی تھی۔ جسمیں پُل کے بنانے اور اُس سے جو آرام و آسایش مخلوق کو ہوگا اوس کا ذکر تھا۔ جس پر بڑے صاحب نے جواب میں تقریر فرمائی اوسمیں بڑی خوشنودی کا اظہار کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس پُل کا تیار ہونا آسایش عامہ اور تجارت کے لئے بہت ہی زیادہ مفید اور بہتر ہوا۔ اسکا بنیادی پتھر ۲ ؍ اپریل ۱۹۲۴؁ء کو رکھا گیا تھا اور اوسوقت بھی ایک مختصر سا دربار ندی کے کنارہ ہوا تھا۔ اور حضور انور دام اقبالہٗ نے اوسوقت بھی اس خواہش کا اظہار کردیا تھا کہ میجر فریزر ہی اپنے ہاتھ سے سنگِ بنیاد رکھیں۔ حالانکہ میجر صاحب موصوف اور سب اہلِ خاندان و نیز دیگر سب لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ حضور انور دام اقبالہٗ خود اپنے ہاتھ سے پتھر نصب فرماویں لیکن حضور انور دام اقبالہٗ نے ازراہِ مہربانی و عزت افزائی یہی فرمایا کہ میجر فریزر ہی اپنے ہاتھ سے پتھر نصب کریں۔ چنانچہ آپ کے حکم کے اتباع میں میجر صاحب موصوف نے سنگِ بنیاد رکھا۔ چونکہ بنیادی پتھر ۲ ؍ اپریل ۱۹۲۴؁ء کو نصب کیا گیا اور ۱۶ ؍ جولائی ۱۹۲۶؁ء کو (مکمل ہونیکے بعد) اسے آمد و رفت کے لئے کھولا گیا یعنی جاری کیا گیا۔ اس لئے اس حساب سے اس کی تعمیر دو سال اور ساڑھے تین مہینے میں ختم ہوئی۔ تیسرا کام گھنٹہ گھر ہے۔ جو چوک دفاتر میں بنایا گیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ

عمارت بھی اچھی یادگار ہے۔ علاوہ اس کے پرگنہ سرونج میں حال ہی میں گویا آپ ہی کے زمانہ میں ایک سعادت ہائی اسکول بھی قائم ہوا ہے اور سڑکیں بھی نئی بنائی گئی ہیں۔ آپ کو شکار کا شوق زیادہ ہے۔ آپ نے بہت شیر شکار کئے ہیں۔ ٹونک کے اور رئیسوں نے آپ کے مقابلہ میں نہیں کئے بلکہ اکثر دیگر ریاستوں کے رئیسوں نے بھی اسقدر شیر کم مارے ہونگے۔ مارچ ۱۹۲۷ء تک آپ نے اپنے ہاتھ سے ۱۰۱ سو شیر شکار فرمائے ہیں طبیعت آپ کی اسقدر سادہ ہے کہ ہر معمولی آدمی سے آپ بے تکلف باتیں فرما لیتے ہیں۔ آپکے عہدِ حکومت میں قرضہ کا انتظام بھی اچھے طریقہ پر ہو رہا ہے۔ آپ نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے ہیں۔ آپ ہی کے زمانہ میں ہمارے شہر ٹونک میں بجلی کی روشنی بھی ہو گئی ہے۔ جس کا افتتاح ۷ مئی ۱۹۲۷ء کو ہوا ہے۔ گویا یہ بھی ایک آپ ہی کے زمانہ کی یادگار ہے۔

ذکر پیشہ وران

ہمارے ریاست کی مردم شماری کے اعتبار سے (جس میں شہر ٹونک بھی شامل ہے) زیادہ تعداد **کاشتکاران** کی ہے جو زراعت وغیرہ کرتے ہیں اور اُن سے کم تعداد یعنی اس کے بعد **ملازمت پیشہ** کی ہے اور اس سے کم پھر **مزدوری پیشہ** اور آخر میں پھر **تجارت پیشہ** لوگ ہیں یعنی

نمبر اوّل .. .. زراعت پیشہ
نمبر دوم .. .. ملازمت پیشہ

نمبر سوم .... مزدوری پیشہ
نمبر چہارم .... تجارت پیشہ

ذکر تعلیم

یہاں علاوہ سرکاری مدارس کے پرائیویٹ مدارس بھی ہیں۔ جن میں ہر طرح کی مذہبی و دینوی تعلیم کم و بیش ہوتی ہے۔ سرکاری مدارس میں سب سے بڑا مدرسہ دربار ہائی اسکول کے نام سے ہے۔ جس کو بڑا مدرسہ بھی کہتے ہیں۔ شہر میں اس کی دو شاخیں بھی ہیں۔ جو اس مدرسہ کا فاصلہ زیادہ ہونے سے آسانی پیدا کرنے کی غرض سے شروع شہر اور آخر میں قائم کی گئی ہیں۔ اس مدرسہ میں جو کچھ دینی تعلیم کے علاوہ دسویں جماعت تک انگریزی۔ اُردو۔ فارسی۔ ہندی۔ سنسکرت کی تعلیم ہوتی ہے۔ اسکا تعلق اجمیر بورڈ سے ہے۔ ہر سال یہاں سے چند لڑکے میٹرک یعنی دسویں جماعت کا امتحان دیکر سارٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے باہر جے پور وغیرہ جاتے ہیں۔ تعداد طلبا میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے اس وقت تین سو سے زیادہ طلبا صرف دربار ہائی اسکول میں زیر تعلیم ہیں۔ خاص طور پر اُردو۔ فارسی وغیرہ کی تعلیم کے لئے یہاں شہر میں ایک مدرسہ اور بھی بڑا اور معقول ہے جس کا نام ناصریہ ہے اوسمیں طلبا تیار ہو کر ہر سال مولوی و منشی کے امتحان میں شریک ہونے لگے ہیں۔ اس کے علاوہ اور مکتب وغیرہ بھی ہیں اور دو مدرسے علم فقہ اور حدیث شریف وغیرہ کے ہیں جن کے نام امیریہ و خلیلیہ ہیں ان میں عربی کی پوری تعلیم علم فقہ و حدیث شریف کی ہوتی ہے اور یہاں دور دور سے بنگال و بخارہ

تک کے طالب علم آکر تعلیم پاتے ہیں اور فارغ التحصیل ہوکر پورے عالم ہوتے ہیں۔

کھیل وغیرہ کا انتظام بھی جسمانی ترقی کے لئے اسکولوں میں کافی ہے۔ اسکول کے علاوہ کھیل وغیرہ کے لئے شہر میں بھی اب کلب وغیرہ ہوگئے ہیں۔

ہمارے یہاں جو زبانیں بولی جاتی ہیں

سب سے زیادہ تر یہاں پر اُردو زبان کا رواج ہے اور یہی عام طور پر زبان بولی جاتی ہے۔ ہندو مسلمان جسقدر بھی یہاں ہیں عام طور پر اسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور سرکاری یعنی ریاست کے دفاتر کی زبان بھی اُردو ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ہندی زبان بھی بولی جاتی ہے اور انگریزی زبان بھی بولی جاتی ہے اور فارسی زبان کا بھی رواج ہے۔ ان چاروں زبانوں کی یہاں تعلیم بھی دیجاتی ہے اور ان چاروں زبانوں یعنی اُردو۔ ہندی۔ انگریزی فارسی کے علاوہ یہاں عربی کی بھی تعلیم ہوتی ہے مگر خاصکر کاروباری زبان یہاں پر اُردو ہی ہے۔ یہاں ان زبانوں کے مدارج حسب ذیل ہیں

اوّل .. .. اُردو

دویم .. .. ہندی اُردو ملی ہوئی

سویم .. .. انگریزی یعنی انگلش

چہارم .. .. فارسی

وبائی امراض یہاں پر کبھی کبھی نمودار ہوجاتے ہیں لہذا اونکا مختصر سا حال

مری یاد میں یہاں چند دفعہ مرض ہیضہ وبائی شکل میں نمودار ہوا جس سے ہزارہا آدمی مر گئے۔ ہیضہ ایک قسم کی بیماری ہوتی ہے۔ جس کو انگریزی میں کالرا کہتے ہیں۔ اس بیماری میں دست شروع ہوجاتے ہیں اور پھر قے بھی ہونے لگتی ہے اور پیاس مریض کو بڑے شدت کی ہوتی ہے اور یہ اتنا سخت مرض ہوتا ہے کہ اس میں آدمی مبتلا ہو کر ایک ایک دو دو دن میں مرجاتے ہیں اور بعض موقع پر ایک ایک دو دو پہر ہی میں مرجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس سے محفوظ رکھے۔ ایک ایک دن میں ساٹھ ساٹھ۔ ستر ستر آدمی روزانہ ہمارے شہر میں مرے۔ اس میں یونانی علاج بھی ہوتا ہے اور ڈاکٹری بھی مگر ایسا کوئی مجرّب اور حکمی علاج نہیں ہے۔ حکیم اس میں گلاب کا عرق اور سرکہ زیادہ استعمال کراتے ہیں اور ڈاکٹری علاج میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک ٹیکہ[1] ایجاد ہوا ہے۔ جو مرض پھیلنے پر تندرست آدمی کے لگا دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس بیماری میں مبتلا

---

[1] ٹیکہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک پتلی سوئی سے دوا بدن کے اندر پہونچائی جاتی ہے۔

نہ ہونے پائے۔ چنانچہ یہ خدا کے حکم سے کچھ فائدہ مند معلوم ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یہاں ۱۹۱۰ء میں طاعون (خدا محفوظ رکھے) بڑی سختی کے ساتھ نمودار ہوا تھا جس میں قریب سو کے روزانہ آدمی مرتے تھے۔

اس بیماری میں خدا بچائے اوّل بخار ہوتا ہے اور اُس کے بعد گردن میں یا ران کی جڑ یا نال میں ایک گلٹی ہوتی ہے اور اس سے پھر مشکل سے آدمی جانبر ہو سکتا ہے۔ دو تین مہینہ کے قریب یہ مرض ہمارے یہاں شہر میں رہا جس سے ہزاروں آدمی مر گئے۔ اس کا بھی کوئی کامل علاج نہیں ہے۔ ڈاکٹری میں ٹیکا وغیرہ لگاتے ہیں اور بہ نسبت اور دوائیوں کے خدا کے حکم سے کچھ مفید بھی ثابت ہوا ہے جو بحالت تندرستی لگایا جاتا ہے تاکہ وہ بیمار ہونے سے بچ سکے۔ یہ مرض ہندوستان میں شروع بمبئی سے ۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء میں ہوا اور پھر رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں سب جگہ پھیل گیا جو اس وقت تک ہندوستان کے بعض بعض ضلعوں اور صوبوں میں کم و بیش ہے اور ابتک اس کا دفعیہ کامل طریقہ پر نہیں ہو سکا ہے۔ کہیں تو دس پانچ سال نہیں ہوتا اور کہیں ہو جاتا ہے۔ اس طرح گویا ہندوستان سے ابتک بالکل نہیں گیا۔ خدا اس مرض کو اپنے حبیب کے صدقے میں دفع رکھے اور جہاں ہو وہاں سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُس کو رفع دفع کرے۔ آمین۔

خشک سالی یا قحط سالی کے بعد اکثر وبائی امراض پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً ہیضہ وغیرہ۔ اس لئے کہ پانی و غذا اچھی نہیں ملتی اور گندگی وغیرہ بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔ بعض بعض سالوں میں چیچک وغیرہ کا بھی زور ہو جاتا ہے کہ جس سے بچے وغیرہ بہت ضائع ہوتے ہیں۔ اِس چیچک کے لئے جو ٹیکہ ڈاکٹری ہے خدا کے حکم سے بہت مفید ہوتا ہے اور قبل از بیماری یعنی چیچک نکلنے سے اوّل اگر تندرست بچوں کے لگا دیا جاتا ہے تو ۹۵ فیصدی کے چیچک نہیں نکلتی گویا اِس مرض سے وہ محفوظ رہتے ہیں۔

اور نکلتی ہے تو بہت خفیف اور بلا کسی ضرر یا تکلیف کے اس طرح یہ مرض چیچک بعض دفعہ جانوران میں بھی پھیل جاتا ہے جس سے جانور بہت ضائع ہو جاتے ہیں۔ جانوران میں اس کی پہچان یہ ہے کہ جانور رُواں پُھلا لیتا ہے۔ چارہ پانی چھوڑ دیتا ہے۔ مُنہ سے رال ٹپکنے لگتی ہے اور جسم کانپنے لگتا ہے اور خدا بچائے جس وقت یہ مرض ہوتا ہے تمام جسم پر دانے ہو جاتے ہیں۔

شکارگاہوں کا حال

حضور پُر نور نواب صاحب بہادر کی کئی شکارگاہ ہیں۔ ان میں ایک سندیڑہ ہے جس میں ہزاروں ہرنوں کی تعداد ہے اور نیل وغیرہ بھی بہت سے رہتے ہیں۔ دوسری کابرہ ہے۔ وہاں بھی نیل سوّر ہرن وغیرہ کثرت سے ہیں کبھی تیندوہ بھی آجاتا ہے اور تیسری رکھت (شکارگاہ) سوہیلہ اور مہتونہ ہے یہاں بھی بہت سوّر ہیں اور سامر۔ نیل۔ تیندوے بھی ہیں۔ اس میں کبھی کبھی شیر بھی آجاتا ہے۔ پرگنہ ٹونک میں تو بس یہی شکارگاہیں ہیں۔ اور پرگنہ علی گڈھ میں ایسی شکارگاہ آئی ہے جو بہت عمدہ ہے۔ یہاں سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں بھی سامر۔ ریچھ۔ نیل۔ تیندوے اور شیر رہتے ہیں۔ وہاں دو چاٹلے پختہ بنے ہوئے ہیں۔ چاٹلے پانی سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔ مالو نکے قریب بنے ہوئے ان چاٹلوں میں اکثر جانوران صحرائی وہاں پانی پینے کے لئے آتے ہیں اور رات کو مالوں میں بیٹھا جاتا ہے اور جب جانوران پانی پینے کے لئے آتے ہیں۔ مالوں میں سے بندوق لگائی جاتی ہے۔ مالہ ایک برج کی شکل کا ہوتا ہے۔ چاروں طرف تو دیوار اُٹھی ہوتی ہے اور اندر سے خالی ہوتا ہے

تاکہ آدمی اندر بیٹھ سکے اور باہر سے نظر نہ آوے۔ اندر جانے کے لئے ایک دروازہ بنا ہوا ہوتا ہے جس کے ذریعہ اندر داخل ہوکر اس کو بھی پھر بند کر لیتے ہیں۔ اوپر سے بعض تو ان میں سے پٹے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ویسے ہی کھلے ہوئے۔ چاٹ جو ہوتا ہے وہ چھوٹے سے حوض کی صورت کا ہوتا ہے۔ جو زمین کے اندر کھود کر پختہ بنایا جاتا ہے اور روزانہ پانی بھر دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں جو ریاست کے پرگنات ہیں اون میں یہ بڑا نقص ہے کہ وہ صدر سے دُور دُور ہیں اور بیچ میں علاقہ جات غیر آ گئے ہیں۔ مثلاً یہاں سے چھبڑہ دو سو میل کے قریب ہے۔ سرونج ڈھائی سو (۲۵۰) میل کے قریب ہے۔ اور نیماہیڑہ سوا سو میل کے قریب اور اسی طرح پڑاوہ تقریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ہے اور علی گڈھ یہاں سے صرف چوبیس میل ہی ہے۔ اس لئے انتظام میں بہت صرفہ اور دقت ہوتی ہے۔ اگر جملہ پرگنات ایک جگہ ملے ہوئے ہوتے تو انتظام میں بھی آسانی ہوتی اور صرفہ میں بھی کمی رہتی۔ یوں صرفہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور انتظام بھی بوجہ فاصلہ زیادہ ہونے کے پورا پورا رکھنا پڑتا ہے۔ سرونج چھبڑہ میں شیر بہت زیادہ ہیں۔ وہاں حضور انور دام اقبالہٗ نے بہت شیر مارے ہیں۔ یہاں بھی مارے ہیں لیکن بمقابلہ وہاں کے کم۔

اب مختصر تذکرہ ہمارے شہر ٹونک کا کیا جاتا ہے

ٹونک شہر کے بابت پہلے بھی میں نے لکھا ہے کہ ایک مستطیل شکل کا واقع ہوا ہے۔ لمبائی زیادہ ہے۔ چوڑائی کم ہے۔ لمبائی طول میں شمالاً و جنوباً دو میل کے قریب ہے اور چوڑائی میں ایک میل کے قریب ہے۔

چند عمدہ عمدہ کوٹھیاں و بنگلے قریب شہر کے چار پانچ پہاڑیوں پر بنے ہوئے ہیں جس سے شہر کی خوبصورتی بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ہماری ریاست کی مردم شماری سوا تین لاکھ کے قریب ہے اور شہر ٹونک کی قریب تینتیس چھتیس ہزار کے شہر میں اور شہر کے قریب چھوٹے معمولی تالاب بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

تالاب حیدر گنج۔ تالاب تیلیان۔ تالاب عیدگاہ۔ تالاب چھاؤنی۔ تالاب اصطبل اور ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی تلائیاں بھی ہیں مثلاً دھنا تلائی۔ ریڈی داس وغیرہ وغیرہ۔

اگر یہ تالاب بارش کے موسم میں پورے مکمل بھر جاتے ہیں تو ایک سال کا پانی دوسرے سال تک رہ جاتا ہے اور اگر پورے نہیں بھریں تو ایک سال کا پانی دوسرے سال تک نہیں رہتا۔ شہر میں پانی پینے کے لئے کنؤوں سے آتا ہے جو شہر میں سب جگہ ہیں۔ شہر ٹونک میں اچھے اچھے بازار بھی ہیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

بازار امیر گنج۔ بازار علی گنج۔ بازار وزیر گنج۔ بازار ٹونک کہنہ وغیرہ وغیرہ۔

سڑکیں بازاروں میں بھی پختہ ہیں اور بعض گلیوں میں بھی۔ بازار میں تمام دوکانات کے آگے پختہ برآمدہ بہت اچھا بنا ہوا ہے۔ جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہے اور بہت خوبصورت و خوشنما معلوم ہوتا ہے اور ایک ہی شکل و ایک ہی وضع کا ہے۔ شہر میں جو محلّے[1] ہیں اون میں سے مشہور محلوں کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

---

[1] محلہ شہر کی آبادی کے ٹکڑے کا نام ہوتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کا پتہ نشان اوس محلہ کے نام سے معلوم ہو جاتا ہے اور پتہ نشان وغیرہ میں آسانی ہو جاتی ہے۔

شاگرد پیشہ۔ تال کٹورہ۔ محلہ موتی باغ۔ رجبن۔ کالی پلٹن۔ علی گنج۔ محلہ قافلہ۔ محلہ گاد قصابان۔ مہندی باغ۔ میاں کا چوک۔ بابروں کا چوک۔ پنج کنوئیاں۔ محلہ ٹھوالان۔ نوالی دروازہ۔ مانک چوک۔ سنگ پورہ۔ محلہ ملائیان۔ بڑا گوارڑہ۔ تالاب تیلایان۔ محلہ غول۔ محلہ دیس والیان تختہ راےجی۔ محلہ امیر گنج۔ وزیر گنج۔ محلہ رحمون۔ چھاؤنی۔ بھیر۔ جال کا کنواں۔ بہادر محمد خاں کا چوک وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ہندوؤں کے میلے وغیرہ اکثر ہوتے ہیں۔ ہریالی ماوس۔ تیج کا میلہ۔ گنگور کا میلہ۔ جل جھولنی گیارس کا میلہ وغیرہ وغیرہ جن کے نام ہیں۔ ان میں بہت آدمی اکٹھے ہوتے ہیں۔ بڑا ہجوم رہتا ہے۔ عورت مردان میلوں میں جمع شریک ہوتے ہیں۔ لباس اچھا پہنتے ہیں۔ مسلمانوں میں عید الفطر۔ عید الضحیٰ اور بھادوں میں بند پختہ اور نوغزہ ہر جمعرات کو ایک میلہ ہوتا ہے اور وہاں پر بہت آدمی جمع ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے میلوں میں ہندو اور ہندوؤں کے میلوں میں مسلمان کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔ بارش کے موسم میں یہاں لوگ نوغزہ وغیرہ گوٹوں میں بہت جاتے ہیں۔ نوغزہ بناس ندی کے گھاٹ پر ایک درگاہ ہے جس کا نام ہے۔ یہ شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے وہاں تک پختہ سڑک بنی ہوئی ہے۔ بند پختہ جسے پکا بند کہتے ہیں۔ ایک پُر فضا مقام ہے اور اُس کی پال پر ایک باغ ہے اور سرکاری کوٹھیات بہت اچھی بنی ہوئی ہیں۔ بارش کے موسم میں وہاں بھی اکثر لوگ جاتے ہیں۔ اُس کے قریب بہت سے بڑکی درخت لگے ہوئے ہیں اور بہت سے سایہ کے درخت ہیں۔ اِس بند میں جب پانی بھر جاتا ہے تو اوسکی پال کے اوپر ہو کر پانی نیچے گرتا ہے۔ جس کو یہاں چادر کہتے ہیں۔ یہ پانی پانچ چھ گز کی بلندی سے گرتا ہے اور جب یہ گرتا ہے تو بڑا ہی خوشنما

منظر ہوتا ہے جس کو وہاں اکثر اسوقت لوگ دیکھنے اور سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ یہ نواب وزیر الدولہ صاحب کا تعمیر کرایا ہوا ہے۔

عام مختصر حالات ریاست

ہماری ریاست میں شہر ٹونک میں ایک بڑی ندی بناس کی ہے جس کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں ہیں۔ جیسے ماوسی۔ سیمل۔ یہ سیمل بھی ماوسی میں شامل ہوکر ماوسی بناس میں مل جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بڑے بڑے نلے بھی ہیں۔ جن کے اگر بند باندھے جاویں تو بہت عمدہ بند بند ہیں جس کی آب رسانی سے ریاست کو بہت نفع ہوسکتا ہے۔ یہاں بند بنائے بھی گئے ہیں جو دو تین ہیں لیکن زیادہ بند بندھانے کی بھی گنجایش بہت ہے اور علاوہ اس کے پرگنہ ٹونک میں پہاڑ وغیرہ بھی ہیں۔ ایسی جگہ بھی ہیں جنھیں کوئی معدنیات کی کوشش کی جاوے تو بہت ممکن ہے کہ مفید چیز برآمد ہوسکے اور علاوہ اس پرگنہ ٹونک کے ہمارے دوسرے پرگنات میں بھی اسی قسم کی بہت سی ندیاں۔ پہاڑ اور جنگلات ہیں۔ پرگنہ چھبڑہ میں سب سے بڑی ندی "پار" ہے یعنی اس ندی کا نام پاربتی ہے اور اڈینری چھبڑہ ہی میں ایک اور چھوٹی ندی ہے اور ایسے ہی نالے وغیرہ بھی زیادہ ہیں۔ اور اسی طرح چھوٹی چھوٹی ندیاں اور نالے وغیرہ جملہ پرگنات۔ سرونج۔ پڑاوہ۔ نیماہیڑہ اور علی گڈھ میں بھی ہیں۔ اگلی تو پرگنہ علی گڈھ میں اور پرگنہ نیماہیڑہ میں کان ہائے پٹیاں رنگ کی اعلیٰ قسم کی ہیں جو تعمیر کے کام میں خوب آتی ہیں اور مکانوں کی چھت ڈالنے کے کام میں بھی آتی ہیں۔ اور پرگنہ علی گڈھ میں موضع شاہ پورہ

کی پہاڑیوں وغیرہ میں سیمنٹ کے بھی آثار معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوشش کی جاوے تو امید ہے کہ شاید برآمد ہو اور ضرور کامیابی ہو۔ اور ہمارے یہاں ابرک و بلور وغیرہ کی کانیں ہیں اور موضع ہتونہ پرگنہ ٹونک میں بلور پایا جاتا ہے اور پرگنہ سرونج میں جنگلات اس قدر وسیع ہیں کہ اگر خاص انتظام ہو تو ریاست کو معقول تعداد میں نفع ہو سکتا ہے اور پرگنات میں بھی جنگل ہیں مگر سرونج کے جنگل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سرونج کا جنگل بہت وسیع ہے اور اس میں بیسوں قسم کے درخت اور بہت قسم کی لکڑی ہے۔ ممکن ہے کہ آیندہ رفتہ رفتہ کسی زمانہ میں ان چیزوں سے ریاست کو فائدہ ہو۔ یہاں پرگنہ ٹونک کے موضع کابرہ میں ایک پہاڑیہ ہے جس کا پتھر بالکل سفید ہے مکرانے کے پتھر سے ملتا ہوا۔ لیکن ویسا تو نہیں ہے مگر مکرانے کے پتھر کے مشابہ ہے۔ پرگنہ چھبڑہ میں دو قلعے بہت پرانے زمانہ کے بہت اچھے ہیں۔ اور عمدہ موقع پر واقع ہیں۔ ایک قلعہ گوگور پار ندی کے کنارہ پہاڑیہ کے اوپر ہے۔ ایک طرف ندی ہے اور ایک طرف جنگل ہے نہایت خوشنما منظر ہے بہت پرانا ہے وہ جگہ قابل دید ہے اور ایک قلعہ چھبڑہ قصبہ چھبڑہ میں ہے۔ ایسی ہی سرونج میں بھی بہت پرانی عمارات شاہی زمانہ کی ہیں۔ مغلیہ خاندان کے زمانہ کی۔ نظامت کے مکانات کے قریب ایک حمام بنا ہوا ہے اوس پر یہ کتبہ کھدا ہوا ہے۔ "نواب شایستہ خاں نے سنہ ۱۰۵۶ ہجری میں بنایا اور یہ عہد ہندوستان میں شاہجہاں بادشاہ کا ہے"۔ میں نے خود اس کے اندر خوب پھر کر دیکھا ہے اچھی طرح سے۔ نواب شایستہ خاں شاہجہاں بادشاہ کے سالے تھے جو ملکہ ممتاز محل جن کا روضہ موسومہ تاج محل آگرہ میں بنا ہوا ہے اوس کے بھائی تھے۔

اسوقت یہاں جو سواریاں رائج ہیں اونکے اور دیگر سامانِ آسایش کے حالات

موٹریں جو انجن سے چلتی ہیں۔ بگھیاں جن میں گھوڑے جُتتے ہیں۔ گھوڑوں کے اور بیلوں کے تانگے اور بیلوں کی گاڑیاں سامان لادنے کے لئے یعنی باربرداری سامان کے لئے۔ اونٹ گاڑی یعنی ایسی گاڑی جس میں اونٹ جوتے جاتے ہیں اور صرف اونٹ و گدہے یہاں باربرداری کے لئے بھی اکثر کام آتے ہیں اور اسی طرح صرف گھوڑے۔ اونٹ اور ہاتھی سواری کے لئے۔ رتھ وغیرہ جن میں بیل جُتتے ہیں۔ گویا اتنی قسم کی سواریوں کا یہاں پر رواج ہے۔ یعنی اتنی قسم کی سواریاں ہمارے یہاں موجود ہیں اور یہاں بیلوں کی سواریوں میں بیلوں کے گلے میں گھونگرو باندہتے ہیں جسے یہاں چورا سی بھی کہتے ہیں اس سے دو باتوں کا فائدہ ہے۔ ایک تو خوبصورتی اور دوم یہ کہ چلتے ہوئے آدمی جو راستہ میں سامنے ہوتے ہیں اونکی آواز سے راستہ سے یہ خیال کرکے کہ سواری آرہی ہے ہٹ جاتے ہیں۔

ان کے علاوہ وہ سواریاں جو آدمی کے کندہوں پر رکھ کر چلائی جاتی ہیں اور ہیں مثلاً ہوادار۔ پالکی۔ پنیس۔ بھوئی جس کو کہار بھی کہتے ہیں۔ ایسے لوگ انھیں اپنے کندہوں پر لیجاتے ہیں۔ ایک پالکی پر آٹھ آٹھ آدمی یا چار چار آدمی یعنی وہی کہار ہوتے ہیں۔ آجکل کی سواریوں میں ہوائی جہاز

بھی ایجاد ہو چکا ہے اور دنیا میں اس کا رواج بھی ہو گیا ہے۔ گو اس وقت تک یہ ٹونک میں موجود نہیں ہے مگر ٹونک کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے ماہ میں دو تین دفعہ گذرتے رہتے ہیں جو دہلی سے کراچی اور کراچی سے کلکتہ اور ہندوستان سے یورپ اور یورپ سے ہندوستان آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ زمانہ موجودہ کی ایک اعلیٰ ایجاد ہے۔ جہاز ہوا میں مثل جانوران کے ذریعہ انجن پرواز کرتے ہیں اور ان کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دن بھر میں پہونچ جاتے ہیں بلکہ دن بھر سے بھی کم میں اور ہندوستان سے لندن تک چار روز میں پہنچ جاتے ہیں چاہے درمیان میں سمندر آوے یا اور کچھ اوپر سے پرواز کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ یہ جہاز کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض میں ۲ دو آدمی بیٹھتے ہیں۔ اور بعض میں ۴ چار۔ بعض میں ۸ آٹھ۔ بعض میں ۱۵ پندرہ بعض میں ۲۰ بیس۔ بعض میں ان سے بھی زیادہ۔ آجکل ان میں بہت مسافر بھی سفر کرنے لگے ہیں۔ خاصکر جنگ کے لئے یہ بڑی نایاب ایجاد ہے۔ جس شہر کو تباہ کرنا ہوتا ہے اوس کے اوپر جہاز پہونچ جاتا ہے اور اوپر سے گولے وغیرہ ڈالے جا کر اوسے تباہ اور برباد کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی ایسے دشمن کو اگر تباہ و برباد کرنا ہوا تو اوس کی فوج پر اوپر سے گولہ باری کی جاتی ہے اور اُس کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اس ایجاد سے بادی قوت بہت بڑھ گئی ہے اور ہر سلطنت دنیا کی اس کی ترقی میں مصروف ہے۔ بعض بعض ریاستوں میں بھی ہوائی جہاز آ گئے ہیں۔ بم کے گولہ ایسے ہوتے ہیں یعنی اس ترکیب سے بنائے جاتے ہیں کہ جب وہ جہاز سے گرائے جاتے ہیں تو جس چیز پر وہ لگتے ہیں وہاں ہی پھٹ جاتے ہیں اور اسکے اطراف میں سو سو پچاس پچاس گز کے فاصلہ تک جو چیزیں ہوتی ہیں وہ سب اُڑ جاتی ہیں اور خراب ہو جاتی ہیں۔ اور جو آدمی وہاں پر موجود ہوتے ہیں زخمی ہو جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں۔ مثلاً اگر جہاز میں سے

گولہ کسی مکان کے اندر گرا تو وہ مکان اور اوس کے رہنے والے مرجاویں گے یا زخمی ہوجاویں گے اور وہ مکان گر جاویگا۔ اگر کہیں آدمی جمع ہوں یعنی آدمیوں کا مجمع ہو جیسے فوج وغیرہ اون کے بیچ میں اگر گرے تو اوس کے چوطرف بیسوں آدمی مرجاتے اور زخمی ہوجاتے ہیں۔

مخلوق کی آسایش کے لئے یہاں پر ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف یعنی تار۔ ریڈیو وغیرہ سب ہمارے شہر میں موجود ہیں ٹیلیگراف میں خبر رسانی کے لئے حروف کے اشارہ ہوتے ہیں جو دوسری طرف ذریعہ تار جو یہاں سے وہاں تک لگا ہوا ہوتا ہے۔ کھٹکوں سے حرکت پیدا کرکے پہونچائے جاتے ہیں۔ اور اس کا مفہوم و منشا اودھر لے لیا جاتا ہے۔ یہاں سے بمبئی تک گھنٹہ دو گھنٹہ میں خبر پہونچ جاتی ہے اور اسی طرح دیگر مقامات مثلاً کلکتہ۔ لندن وغیرہ تک۔ اس تار کے لئے یہاں سے وہاں تک لٹھے کھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن پر جتنی مسافت تک لمبا تار ہو گویا سو سو دو دو سو کوس تک ہی نہیں بلکہ ہزاروں کوس تک تار لگا ہوا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے پیغام رسانی ہوتی ہے۔ اسی طرح ٹیلیفون کے لٹھے بھی کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اون پر بھی تار بندھا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن اسمیں اور اوس تار میں یہ فرق ہے کہ اس میں تو جو آدمی گفتگو کرتا ہے اوس کی وہی گفتگو اور وہی آواز دوسری طرف پہونچ جاتی ہے۔ جہاں وہ پہونچائی جاتی ہے۔ مثلاً سو سو کوس پچاس کوس دو دو سو کوس اور علیٰ ہذا اس سے زیادہ بھی۔ ریڈیو میں نہ لٹھے گڑے ہوئے ہوتے ہیں اور نہ تار لگا ہوا ہوتا ہے بلکہ ایک قسم کا آلہ ہوتا ہے جو ایک طرف لگا دیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف خواہ فاصلہ کتنے ہی دور دراز کا ہو غرض یہ ہے کہ درمیان میں کوئی چیز بجز ہوا کے حائل نہیں ہے اور ہوا ہی کے ذریعہ اس کی خبروں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی بمبئی میں گانا گا رہا ہے تو وہاں کا گانا اگر ہم ہزار کوس پر بھی ہیں تو وہاں بالکل ویسے ہی سُن سکتے ہیں جیسے کہ وہ یہاں ہی گا رہا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی پانسو کوس پر بات کر رہا ہے تو آواز ایسی سنائی دیتی ہے گویا یہاں ہمارے پاس ہی بات کر رہا ہے یہ تمام ایجادات اور آلات سائنس کا کرشمہ ہے اور یہ تمام گورنمنٹ برطانیہ کی حکومت ہوئی جب سے ہی ہوا ہے یعنی اون کے اثر اور انتظام ملک داری کا نتیجہ ہے۔ ایسی ایسی باتیں ایجاد کرنے سے مخلوق کو بے انتہا نفع اور آسانی ہوگئی ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کا جب سے ہندوستان میں دخل و قبضہ ہوا ہے اون کی حکومت کی بدولت ہندوستان کو ہزاروں طرح کا اور بھی فائدہ ہوا ہے۔ مثلاً سفر کے لئے ریل و سڑکیں۔ خطوط کے ایک مقام سے لانے اور لیجانے کے لئے ڈاکخانہ کا انتظام۔ سڑکوں اور ریلوں کی وجہ سے زراعتی پیداوار کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لانا اور لیجانا جس سے کہ تجارت کو بڑا فروغ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی قسم کی آسائشیں ہوئیں مثلاً ٹھگی۔ ڈکیتی اور چوری کا انتظام جو پہلے نہ تھا۔ اس زمانہ میں ایک آدمی سینکڑوں کوس کا سفر تنہا اور آسانی سے کر سکتا ہے اور تمام فرقوں کو اپنے اپنے مذہب میں ہر قسم کی آزادی ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور تعلیم مخلوق کے متعلق ہر طرح کا بہتر انتظام ہے۔ جبکہ برطانیہ کی حکومت سے قبل قافلہ در قافلہ سو سو دو دو سو آدمیوں کا گروہ ہو کر سفر کرتا تھا اور اوس پر بھی بہ امن و امان اور بہ آسانی منزلِ مقصود پر پہونچنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کہیں چور لوٹ لیتے تھے۔ کہیں راستوں کی تکلیفوں اور دقتوں سے مر جاتے تھے۔ اب اس عہد حکومت میں خدا کے فضل و کرم سے یہ تمام باتیں رفع ہوگئی ہیں۔ اور ایک عورت تنہا ہزاروں کوس کا سفر کر کے گھر خیریت کے ساتھ آٹھویں دن واپس آجاتی ہے اس کے لئے اگر ہم خداوند تعالیٰ کی اور موجودہ حکومت یعنی گورنمنٹ برطانیہ کی شکر گذاری نہ کریں تو ہماری اخلاقی کمزوری ہے اور ساتھ ہی ہم نہایت احسان فراموش بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم کو گورنمنٹ برطانیہ کا بہت شکر گذار ہونا چاہیے۔ خداوند تعالیٰ کا یہ ہم پر بڑا فضل و کرم ہے

طریقۂ تیاری غلّہ

ہمارے شہر کے دیہات میں جو غلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل تو کھیتوں کو جب وہ پک جاتے ہیں کاٹا جاتا ہے اور پھر کاٹ کر گاؤں میں ایک جگہ اکٹھا کرتے ہیں اور پھر ہر پیڑ میں سے خوشہ توڑ توڑ کر ایک الگ ڈھیر بناتے ہیں اور پھر ڈھیروں پر تمام بیلوں کو پھراتے ہیں اِس کو ہمارے یہاں گاہٹہ کہتے ہیں۔ پھر دانہ جب الگ ہو جاتا ہے تو تھوڑی سی ہوا میں اوپر سے نیچے ٹوکروں میں بھر کر یا اور کسی طریقہ سے مثلاً ہاتھوں وغیرہ میں لیکر گراتے ہیں اس سے غلّہ الگ ہو جاتا ہے اور بُھسہ الگ نکل آتا ہے اس غلّہ کو پھر اِدہر اُدہر لیجاکر فروخت کرتے ہیں یا کھاتے ہیں۔ لیکن جو۔ چنا۔ گیہوں۔ السی وغیرہ اکٹھا کرکے ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ معہ پیڑوں کے اکٹھا کرکے ویسے ہی جانوران کو پھیرتے ہیں جس کو کہ گاہٹہ کہتے ہیں اور پھر اسی طرح اوسے برساکر کے غلّہ نکال لیتے ہیں اور وہی بُھس الگ کر لیتے ہیں۔ جس کو یہاں کھاکلہ بھی کہتے ہیں۔ بُھسہ جانوران کے چارہ میں کام آتا ہے۔ یعنی وہ کھاتے ہیں اور دیہاتیں تمام غلہ کی پیداوار اور اِدہر اُدہر لیجانا اور دیگر اسی طرح کے کام تمام بیلوں کی گاڑیوں سے لئے جاتے ہیں۔

شکار کا حال

چونکہ حضور پُرنور دام اقبالہٗ کو شکار کا بہت شوق ہے۔ پرندوں۔ درندوں اور چرندوں کے شکار

کے لئے اکثر تشریف لیجایا کرتے ہیں۔ آپ کے ہمراہ اکثر میں بھی گیا ہوں۔ میرے چچا نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ مرحوم مغفور کے ساتھ بھی میرے جانے کا اکثر اتفاق ہوا ہے۔ گو اونھیں شکار کا بہت کم شوق تھا۔ اور مجھے بھی ایسا شوق شکار کا نہیں ہے لیکن تھوڑا بہت ضرور ہے۔ یہاں پرندوں کے شکار کے لئے ویسے تو کئی جگہ ہیں لیکن ان میں خاصکر دو تین جگہ زیادہ مشہور ہیں اور وہاں اکثر شکار ہوتا ہے۔ ایک تو اونہیں سے موضع سانکنہ کا تالاب۔ دوسرا موضع چندلائی کا بند۔ تیسرا موضع لوادر کا تالاب یہاں پر یعنی ان مقامات پر اکثر بہت قسم کے جانور ہوتے ہیں اور بہت اچھا شکار ہوتا ہے۔ مرغابیاں قاذیں۔ ہنس۔ حواصل۔ سُرخاب اور دیگر قسم کے جانور آبی کثرت سے ہوتے ہیں اور ان کے شکار میں بڑا لطف آتا ہے۔ پندرہ پندرہ۔ بیس بیس شکاری فاصلہ کے ساتھ علیحدہ علیحدہ جگہ تالاب کے اردگرد اور بیچ میں جہاں موقعہ ہوتا ہے بیٹھ جاتے ہیں اور پھر بندوق چلاکر جانوران کو اُڑایا جاتا ہے اور ان اُڑتے ہوئے جانوران پر بندوقیں لگائی جاتی ہیں۔ جس شکاری کی طرف وہ اُڑتے ہوئے جاتے ہیں وہی بندوق لگاکر شکار کرتا ہے۔ یعنی اُڑتے ہوئے جانور شکار کئے جاتے ہیں۔ کبھی کسی ایک شکاری کی طرف آئے اوس نے بندوق لگالی۔ پھر دوسرے کی طرف گئے اس کے بعد تیسرے کی طرف گئے۔ ہر شکاری اسی طرح جس کی طرف وہ آتے ہیں۔ بندوق لگاتا جاتا اور شکار کرتا جاتا ہے اس لئے کئی کئی سو جانوران کی تعداد ایک ایک وقت کے شکار میں ہو جاتی ہے اور اُڑتے ہوئے جانوران پر جب بندوق لگتی ہے اور وہ نیچے گرتے ہیں تو اون کی عجب کیفیت ہوتی ہے۔ اس شکار میں اکثر یوروپین صاحبان بھی آکر شریک ہوتے ہیں پانچ پانچ سات سات انگریز صاحبان اور میم صاحبان آتے ہیں کبھی ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ اور ریزیڈنٹ صاحب جے پور وغیرہ بھی شکار میں شریک ہوتے ہیں۔ چرند جانوران کا ویسے تو سب جنگلوں میں شکار ہے۔ مگر

خاصکر جو سرکاری رکھتیں ہیں اونمیں تو اکثر اچھا شکار ہوتا ہے۔ جیسے سوہیلہ۔ کابرہ۔ سندیڑہ۔ آملی وغیرہ جو پرگنہ ٹونک و علیگڈھ وغیرہ میں ہیں۔ یہاں پر جو پہاڑی جنگل ہیں۔ اون کے متعلق کئی طریقہ شکار کھیلنے کے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ویسے ہی رکھتوں کے اندر پھر کر جو جانوران قریب ملجاویں اون کے بندوق لگائی جاوے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ ہانکہ کیا جاتا ہے۔ ایک لائن پر تمام شکاری لوگ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور دوسری طرف سے سو سو پچاس پچاس دو دو سو آدمی جیسا موقع ہو برابر پانچ پانچ سات سات قدم کے فاصلہ سے چلّاتے ہوئے اور ڈھول وغیرہ بجاتے ہوئے شکاریوں کی طرف آتے ہیں اور اون سے جو جانوران چمک کر بھاگتے ہیں وہ شکاریوں کی طرف سے نکلتے ہیں۔ کیونکہ شکاری چھپے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں۔ جس شکاری کی طرف جو جانور آتا ہے اوسی کی شکار بندوق لگاکر شکاری کرتا ہے۔ شیر۔ سانبھر۔ نیل۔ روزح۔ ہرن۔ سور۔ تیندوا وغیرہ سب جانوران کا شکار اسی طرح کیا جاتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مالے باندھے جاتے ہیں۔ اور پانی کے حوض سامنے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہاں رات کو جانور پانی پینے آتے ہیں۔ اوسوقت مالوں کے اندر سے اون کا شکار ہوتا ہے۔ آملی میں اسی طرح کے مالے ہیں۔ اون میں میں نے بھی شکار کھیلا ہے۔ وہاں رات کو مالوں میں بیٹھتے ہیں۔ میں نے اس طرح کے مالوں میں کئی سانبھر۔ تیندوئیے شکار کئے ہیں۔ آملی میں جو پہاڑ ہے وہ کوہ اراولی کی شاخ ہے۔ مالہ کے اندر جب میں شکار کے لئے بیٹھا تھا تو رات کو کئی جانور بندوق سے شکار کئے اور جب صبح کا وقت ہوا تو شکار سے بھی زیادہ لطف کی ایک بات وہاں دیکھی جو میرے دل کو بڑی مرغوب ہوئی اور مجھے بڑی ہی اچھی معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ علی الصباح سورج نکلنے کے گھنٹہ بھر پہلے بیسوں جانوران صحرائی یعنی پرندوں کا جو رنگ برنگ آواز سے بولنا اور چہچہانا ہوا تو اوس سے عجیب سماں معلوم ہوا۔ خاصکر جسمیں

موروں کی آواز تو بہت ہی پُرلطف تھی۔ وہاں اُجالا ہوئے جب وہ جانوران ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پر اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پہاڑوں سے پھرتے ہوئے آتے ہیں تو عجیب سماں اور بڑا ہی خوشنما منظر ہوتا ہے اور خاصکر پہاڑیوں کی جھاڑیوں میں سے موروں کا نیچے اُڑ اُڑ کر کے آنا تو عجیب ہی کیفیت پیدا کرتا ہے اور قابل دید ہوتا ہے اور چونکہ وہاں پہاڑ میں اکثر درندے بھی ہوتے ہیں اس لئے وہاں کے گاؤں کے لوگ اپنی مویشی یعنی گائے۔ بھینسوں کے گلوں میں گھنٹالیں باندھ دیتے ہیں۔ جو ٹن ٹن بولتی رہتی ہیں اور جب یہ جانوران پچھلے وقت رات کو گاؤں سے نکلتے ہیں تو انکا آواز اور ادہر پہاڑی جانوروں کا آواز جو اس وقت وہاں ہوتا ہے۔ یوں دونوں آوازیں ملکر عجیب لطف دیتی ہیں۔ مویشی کے گلے میں گھنٹالیں اس لئے ڈالدیتے ہیں کہ یہ جانوران جہاں جاویں وہاں اگر کوئی درندہ بیٹھا ہوا ہو تو گھنٹالی کی آواز سن کر اُٹھ جاوے۔ مثلاً شیر۔ تیندوا وغیرہ۔ یہ شکار کی حالت اور جانوران کی کیفیت جو اوپر لکھی ہے وہ صرف یہاں ٹونک اور پرگنہ علیگڈھ میں جو آئی ہے اوس کے متعلق لکھی ہے۔ اسکے علاوہ ہماری ریاست کے چار پرگنات جو اور ہیں اون میں بڑے نفیس نفیس جنگل اچھے اچھے موقعہ اور عمدہ عمدہ شکارگاہیں ہیں جو واقعی قابل دیکھنے کے ہیں۔ پرگنات یہاں سے دور فاصلہ پر ہیں۔ ان پرگنات کے نام حسب ذیل ہیں:۔

پرگنہ چھبڑہ۔ پرگنہ پڑاوہ۔ پرگنہ سرونج۔ پرگنہ نیماہیڑہ

حضور انور دام اقبالہٗ بندوق بہت اچھی لگاتے ہیں۔ چونکہ میں اکثر شکار میں آپکے ہمرکاب رہا ہوں۔ اس لئے میں نے خود دیکھا ہے کہ بھاگتے ہوئے ہزار ہزار گز کے فاصلہ سے کئی کئی ہرن بیک وقت شکار کئے ہیں۔ یعنی ایک ہرن کے گولی لگائی وہ گرا اور دوسرے بھاگتے ہوئے کے گولی

لگائی وہ گرا اور اسی طرح پھر تیسرے کے گولی لگائی اور وہ گرا۔ یوں یکے بعد دیگرے شکار ہوتا ہے
شکاری جانوروں میں ہرن سب سے زیادہ بھاگنے والا ہوتا ہے۔ یعنی اس کی رفتار بڑی تیز ہوتی ہے
اس کا بھاگتے ہوئے گولی سے شکار کیا جانا بہت مشکل کام ہے۔ جب ہرنوں پر گولی لگانے کا یہ حال ہے
تو دیگر جانوران پر تو بدرجہ اولیٰ گولی لگنا ہی چاہئے گویا کہ سرکار عالی اور جانوران پر تو بہت اچھی
گولی لگاتے ہیں۔ سرکار عالی پھرنے میں بھی بڑے مضبوط ہیں۔ کئی کئی گھنٹوں پہاڑوں اور جنگلوں
میں اسقدر پھرتے ہیں کہ اون کے ساتھی بھی چلنے سے تھک جاتے ہیں۔ میں نے بھی سرکار عالی کے
ہمراہ شکار کھیلا ہے۔ نیل۔ سانبھر۔ ہرن۔ تینذوے۔ مرغابیاں اور دیگر پرند وغیرہ کا شکار
(یعنی سب ٹونک کے جانوران کا) میں نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ لیکن چونکہ میرا بدن بھاری ہے۔
اس لئے زیادہ پیدل نہیں پھر سکتا اور پھر شوق بھی ایسا زیادہ نہیں ہے۔ البتہ میرا لڑکا برخوردار
صاحبزادہ عبدالمصوّر خاں بہت اچھی بندوق لگاتا ہے اور اوسے شکار کا بھی کچھ زیادہ شوق ہے
اکثر شکار میں سرکار عالی کے ہمراہ بھی گیا ہے۔ بہت اچھا شکاری ہے اور اوس نے شیر۔ تینذوے
سانبھر۔ نیل۔ ہرن۔ سور اور پرند وغیرہ کا بہت سا شکار کیا ہے۔ علاوہ اس کے یہاں ٹونک میں
اہلِ خاندان میں سے اور بھی اکثر لوگوں کو اور رعایا میں سے بھی بہتوں کو شکار اور بندوق لگانے کا
شوق ہے اور ان میں بہت سے اچھے شکاری ہیں۔ اہلِ خاندان میں سب سے زیادہ شکاری
جو یہاں مشہور ہیں۔ میرے چچازاد بھائیوں میں صاحبزادہ الیاس خانصاحب اور صاحبزادہ
عبدالشکور خانصاحب ہیں بعض بعض اسی طرح شہر میں سے اور بھی اچھے شکاری ہیں۔

جو رواج ہمارے شہر ٹونک کے لوگوں کے پہناوے کا ہے اوس کا حال

مسلمانوں کا پہناوا یہاں پر یہ ہے کہ سر پر دوپٹہ باندھتے ہیں اور سیلہ مندیل وغیرہ بھی باندھتے ہیں اور ٹوپی بھی کئی قسم کی اوڑھتے ہیں مثلاً ترکی۔ ایرانی۔ گول پٹاری دار۔ زرین۔ کشتی نما زرین و مخملی رامپوری۔ جسم پر اچکن اور شیروانی۔ کرتہ یا قمیص۔ چوغہ اور پائجامہ وغیرہ وغیرہ۔ بعض بعض لوگ کوٹ برجس وغیرہ بھی پہنتے ہیں۔ اور انگریزی ٹوپی اور جوتے سلیم شاہی۔ گرگابی۔ بوٹ وغیرہ بھی پہنتے ہیں اوسی قریب قریب یہی پہناوا ہندؤوں کا بھی ہے صرف تین لباس ونکے یہاں زیادہ پہنتے ہیں مثلاً پائجامہ بھی پہنتے ہیں اور دہوتی بھی باندھتے ہیں اور دوسرا چھوٹا کوٹ بھی جسے ہندی زبان میں بکتری کہتے ہیں (علاوہ اچکن شیروانی اور کرتہ کے) بعض پہنتے ہیں یعنی بعض اچکن شیروانی پہنتے ہیں اور بعض بکتری ہی پہنتے ہیں۔ بنئے۔ بقالوں۔ مہاجنوں وغیرہ میں اکثر پگڑی بھی باندھتے ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں عورتوں کا پہناوا یہ ہے کہ پائجامہ۔ ڈوپٹہ کرتہ۔ کرتی۔ واسکٹ وغیرہ پہنتے ہیں اور بعض بعض ساڑھی بھی باندھتے ہیں۔ ہندؤوں کے یہاں عورتوں کا پہناوا گھاگھرا۔ لہنگا۔ اوڑھنی۔ کانچلی وغیرہ ہے اور بعض جگہ ساڑھی وغیرہ کا بھی رواج ہے۔ جو آسودہ ہیں اون کے یہاں اعلیٰ قسم کی پوشاک ہوتی ہے اور جو معمولی ہوتے ہیں اون کے یہاں ادنیٰ درجہ کی

ہوتی ہے۔ زیور پہننے کا بھی رواج ہے۔ مسلمانوں میں بھی عورتیں پہنتی ہیں اور ہندوؤں میں بھی گویا دونوں ہی اقوام میں رواج ہے۔ یہاں مسلمان عورتوں میں پردہ کا رواج اس وقت تک جاری ہے۔ لیکن مسلمانوں کے حسب ذیل فرقوں میں پردہ نہیں ہے:۔

جلاہے۔ بنجارے۔ کنجڑے۔ قصابان۔ لوہار۔ منہار۔ نمدگر۔ نیلگر یعنی رنگریز۔
اور بعض خاص ہندوؤں کے یہاں بھی پردہ کی یہاں پابندی ہوتی ہے۔ لیکن اکثر جگہ نہیں۔

اسلحہ کا حال

یہاں پر اس وقت تک کوئی قید نہیں ہے۔ عام طور پر ہندو مسلمانوں کے یہاں ہتھیار ہیں۔
جو یہاں اسوقت ہتھیار رائج ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔ بندوق۔ طمنچہ۔ ڈہال تلوار۔ چھرا۔ چھری۔ چاقو۔ بلم۔ سنگین۔ تبر۔ بندوقیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ کارتوسی ٹوپی دار اور بعض بعض کے پاس توڑے دار بندوقیں بھی ہیں۔ اسی طرح تلواریں بھی کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ کیتی گجراتی اور امیر یجابیش قبض وغیرہ۔ ریاست میں توپیں بھی ہیں اور ان کے علاوہ یہاں پر آنگی بھی ہوتی ہے۔ یہ بھی اچھا آلہ ہے۔ اس کو بھی استعمال میں رکھتے ہیں۔ اکثر دیہاتی اسکو زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

شادی وغمی کے بابت جو یہاں رسم ورواج ہے اوس کا حال

یہاں ابتک شادی کے سلسلہ میں ایسا قاعدہ ہے کہ اوّل دولہا اور دلہن کے یہاں سے مائیاں جاتی ہیں اور ان میں یہ ہوتا ہے کہ حسب حیثیت بہت سے خوان ہوتے ہیں جن میں مہندی۔ ادبٹنہ۔ مٹھائی۔ جوڑا وغیرہ اور تھوڑے سے برتن چوکی وغیرہ ہوتے ہیں۔ جو آسودہ ہوتے ہیں اون کے یہاں یہ تمام چیزیں اعلیٰ قسم کی ہوتی ہیں اور جو معمولی لوگ ہیں اون کے یہاں ادنیٰ درجہ کی۔ ان کے ساتھ باجہ بھی ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد بارات جاتی ہے جو دولہن کے یہاں ٹھہرتی ہے اور بعض برات نہیں بھی ٹھہرتی ہے وہاں ناچ گانے کے جلسے وغیرہ ہوتے ہیں۔ کھانے بھی ہوتے ہیں اور آتشبازی بھی ہوتی ہے۔ بارات کے بعد پھر چوتھی ہوتی ہے یعنی دولہن اپنے ماں کے یہاں جاتی ہے چنانچہ وہاں بھی جوڑے اور کھانے وغیرہ کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ ان رسومات میں روپیہ بیکار بہت صرف ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہ بڑے ناقص رواجات ہیں ان کی ضرور اصلاح ہونا چاہیئے ان میں بڑی زیر باری اور بربادی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہندؤوں کے یہاں بھی ناچ رنگ گانے کے جلسہ۔ آتشبازی اور کھانے وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان میں بھی روپیہ فضول صرف کیا جاتا ہے جو میرے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔ ایسے ہی موت کے موقع پر تیجے۔ چالیسویں۔ جمعراتیں

اور برسی وغیرہ اکثر کی جاتی ہیں اور ہندوؤں میں بھی اسی طرح باروین تکتہ وغیرہ کیے جاتے ہیں۔ ان سب میں بیجا طور پر روپیہ صرف ہوتا ہے جو بھی میرے خیال سے قطعی درست نہیں ہے۔ ہندوؤں کے یہاں یہ رسم بُری ہے کہ کوئی بیوہ ہو جاوے تو پھر اوس کی شادی نہیں کرتے ہیں۔ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ اوس کی تمام عمر یوں ہی گذرتی ہے۔ چھوٹے درجہ کے مثلاً کولی۔ چمار۔ مالی وغیرہ میں تو شادی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو بڑے درجہ کے لوگ ہیں اون میں ایسا نہیں ہوتا۔ مسلمانوں میں بھی پہلے پہلے بعض پٹھان لوگ شادی بیوہ کی نہیں کیا کرتے تھے لیکن اب اون کے خیال میں تبدیلی ہو گئی ہے اور کرنے لگے ہیں۔

طرز بساوت شہر

پُرانے ٹونک میں تو پُرانی طرز کی عمارتیں ہیں جیسی اور جگہ بھی ہندوستان میں ہیں یعنی بہت تنگ مکانات ہیں جن میں بالکل چھوٹے نہیں ہونے کے برابر صحن ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے مکانات اوپر نیچے گنجان بنے ہوئے ہیں اور گلیاں بازار بھی تنگ ہیں۔ نیا شہر جو بعد میں آباد ہوا ہے۔ مثلاً امیر گنج وزیر گنج۔ علی گنج وغیرہ۔ ان میں مکانات بہت اچھے طرز کے بنے ہوئے ہیں۔ کشادہ بھی ہیں اور صحن بھی ہر مکان میں اچھا ہے۔ دھوپ، ہوا غرض یہ ہے کہ ہر آسایش کا انتظام اچھا ہے۔ البتہ ادہر کچے مکانات تعداد میں زیادہ ہیں اور پختہ مکانات کی تعداد کم ہے۔ سڑکیں اور راستہ بھی ادہر چوڑے کافی ہیں۔ اسی سلسلہ میں قابل ذکر بات یہاں یہ ہے کہ اب جو گھنٹہ گھر بنایا گیا ہے اوس کی جگہ نہایت بہتر منتخب

کی گئی ہے وہاں نہایت عمدہ چوک ہے اور عدالتیں بھی وہاں ہی ہیں۔ اور اس میں سب سے بڑی خصوصیت کی بات یہ اور ہے کہ اس کے شمال کی طرف تو پرانی آبادی ہے۔ جو پرانے ٹونک کے نام سے مشہور ہے اور جنوب کی طرف نئی آبادی ہے گویا دونوں کے بالکل درمیان میں ہے اور یہ دونوں بستیوں کی حد کا بھی کام دیتا ہے۔

ہمارے یہاں کی صنعت

یہاں پر نمدے۔ غالیچے۔ جانمازیں۔ گھگیاں بہت عمدہ بنتی ہیں۔ دریاں بھی یہاں پر جیل میں بہت اچھی بننے لگی ہیں۔ تانگہ۔ رتھ۔ وغیرہ بھی یہاں شہر میں بہت اچھے بنتے ہیں۔ یہاں کھادی کے تھان بھی بنے جاتے ہیں جو جُلاہے۔ کولی۔ کھنگار وغیرہ بنتے ہیں اور ڈوریہ بھی بنے جاتے ہیں جو فرش وغیرہ کے کام میں آتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی تجارت میں جو مال یہاں سے باہر جاتا ہے اور باہر سے یہاں آتا ہے اوس کا لب لباب یعنی نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ریاست کا روپیہ یہاں سے باہر زیادہ جاتا ہے۔ اور اوس کے مقابلہ میں باہر سے یہاں کم آتا ہے۔ میرے خیال میں یہ بڑا نقص ہے۔ کسی شہر کی حالت جبتک ایسی نہ ہوجائے کہ باہر سے وہاں روپیہ زیادہ آئے اور وہاں سے روپیہ کم نکلے اوس وقت تک اوسکی ترقی اور آسودگی نہیں ہوسکتی اس لئے ہمارے یہاں عام طور پر آسودگی کم ہے اور یہی بات یہاں قابلِ غور اور لحاظ کرنے کے ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں ہمارے یہاں بہت سی اصلاحات ہوگئی ہیں اور اُمید ہے کہ آیندہ پھر مزید اصلاحات ہونگی اور یہ کمی خدا کے فضل سے کبھی پوری ہوجاوے گی۔ چونکہ ہماری ریاست میں اب ترقی کی ابتدا ہوگئی ہے۔ اس لئے یہاں کئی کارخانہ جات بھی جاری ہوگئے ہیں۔ مثلاً روئی

کے بنولہ نکالنے کا کارخانہ۔ روئی دباکر گانٹھیں باندہنے کا کارخانہ اور برف و بجلی وغیرہ کے کارخانہ جات۔ آٹا پیسنے کی مشین وغیرہ وغیرہ اس وقت موجود ہیں اور ابھی حال ہی میں یکم جولائی ۱۹۳۷ء کو ڈیولپمنٹ ممبر یعنی افسر ترقیات کا ایک عہدہ مقرر کیا گیا ہے جو ایسے ذرائع اور تجاویز پیش کریں جو توفیر آمدنی یعنی زیادتی آمدنی ریاست ہذا کا باعث ہو۔ چنانچہ اس سے امید ہے کہ بہت سے ذرائع ترقی پیدا کئے جاویں گے اور مزید اصلاحات عمل میں آوینگی۔

ہمارے یہاں ہز ہائینس نواب صاحب بہادر جو دربار کرتے ہیں اوس کا طریقہ حسب ذیل ہے

یہاں ہر سال میں چار دربار تو ضرور ہی ہوتے ہیں ایک تو عید الفطر کا۔ ایک عید الضحی کا ایک سالگرہ ملک معظم کا اور ایک حضور انور دام اقبالہ کا۔ اس طرح چار دربار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی ضرورت پر یا کسی وجہ کے ہو جانے پر اور دربار بھی ہوتے رہتے ہیں۔ دربار عیدین اور دربار سالگرہ میں سب صاحبان اہل خاندان۔ معززین اور جاگیرداران و اہلکاران حضور انور دام اقبالہ کو نذریں پیش کرتے ہیں اور طریقہ دربار یہ ہے کہ حضور انور دام اقبالہ دیوان خانہ قلعہ امیر گڈھ میں رونق افروز ہوتے ہیں اور گدی پر نشست فرماتے یعنی بیٹھتے ہیں جو زمین سے ایک بالشت اونچی ہوتی

ہے اور اس کے اوپر ایک مخملی زرین (زردوزی کی) چادر بچھائی جاتی ہے ۔ پیچھے گاؤ تکیہ بھی اسی طرح مخملی اور زرین لگایا جاتا ہے اور دو تکیہ زرین چھوٹے دست راست و دست چپ کی طرف رکھے جاتے ہیں اور اُن کے چاروں طرف چاروں کونوں پر گنگا جمنی چوبیں ہوتی ہیں جن سے اوپر ایک چھت مخملی زردوزی کی قائم کی جاتی ہے۔ اس کے یعنی چھت کے نیچے مذکورہ بالا گدی پر تکیہ کے سہارے سے حضور انور دام اقبالہٗ نشست فرماتے ہیں اور کل دیوان خانہ میں فرش چاندنی وغیرہ سفید بچھا ہوا ہوتا ہے اور بیچ میں گدی ہوتی ہے اور کل اہلِ خاندان جاگیرداران اور اہلکاران وغیرہ اپنی اپنی نشست پر جو دائیں بائیں اور سامنے ہوتی ہیں تمام مؤدبانہ طریقہ سے بیٹھتے ہیں اور حضور انور دام اقبالہٗ کے سامنے چوبدار سونے چاندی کی چھڑیاں لیکر کھڑے ہوتے ہیں اور حضور انور دام اقبالہٗ کی پشت کی طرف تمام خدمتگاران ہوتے ہیں جو حضور انور دام اقبالہ پر چنور و مورچھل وغیرہ ہلاتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اہلِ دربار میں سے ایک ایک آدمی اُٹھتا ہے اور حضور انور دام اقبالہٗ کے سامنے حاضر ہو کر اوّل سلام کرتا ہے اور پھر نذر پیش کرتا ہے ۔ زاں بعد واپس چار پانچ قدم اُلٹے پیر بغیر مڑے ہوئے جاتا ہے اور چار پانچ قدم جانیکے بعد پھر سلام کرتا ہے اس کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ جس وقت نذریں پیش ہوتی ہیں اتواپ سر کی جاتی ہیں۔ ترتیب نذروں کے پیش کرنے کی یہ ہوتی ہے کہ موجودہ رئیس کے سگے یعنی حقیقی چچا سب سے اوّل نذر پیش کرتے ہیں اور اُس کے بعد رئیس وقت کے بھائی۔ پھر رئیس وقت کی اولاد اس کے بعد چچاؤں کے بیٹے اور پھر دیگر اہلِ خاندان۔ کل خاندان کے بعد پھر جاگیرداران اور اہلکاران نذریں پیش کرتے ہیں۔ سرکار عالی کی سالگرہ کے دربار میں یہ بات مزید ہوتی ہے کہ تمام اہلِ دربار پیلے یعنی زرد لباس میں ہوتے ہیں اور دیوان خانہ کے مکان کے سامنے نقالوں اور طوائفوں کا

ناچ گانا اوسوقت تک ہوتا رہتا ہے جبتک کہ دربار رہتاہے اور اتواپ بھی بمقابلہ دیگر درباروں کے زیادہ سرکیجاتی ہیں۔ ملکِ معظم قیصر ہند کی سالگرہ کے موقع پر جو دربار منعقد ہوتاہے وہ کرسیوں پر ہوتاہے اسمیں حضور انور دام اقبالہٗ ایک گنگا جمنی کرسی پر جس پر زرّین پوشش ہوتی ہے رونق افروز ہوتے ہیں اور سب حاضرین دربار اوس دربار کے قاعدہ کے موافق حاضر ہوتے اور بیٹھتے ہیں لیکن سب کی نشست کرسیوں پر ہوتی ہے۔ جب سب درباری اکٹھے ہوجاتے ہیں تو پھر حضور انور دام اقبالہٗ ایک اسپیچ فرماتے ہیں جس میں ملک معظم کی تمام عنایات و مہربانیوں اور سلطنت کی ترقی کا ذکر ہوتا ہے اور ملک معظم کے لئے ایسے کلمات بھی ہوتے ہیں کہ خداوند کریم ملکِ معظم کو سب ہندوستان کے سر پر مدت مدید تک بہترین حکمراں رکھے۔ اسپیچ جب ختم ہوتی ہے تو اوسوقت ملک معظم کی شاہی سلامی بینڈ سے ہوتی ہے اور ساتھ ہی ایک سوایک اتواپ شاہی سلامی کی سرکیجاتی ہیں اور جبتک اتواپ سلامی سر ہوتی رہتی ہیں تمام حاضرین دربار کھڑے رہتے ہیں اور جب شاہی سلامی ختم ہوجاتی ہے تو تمام درباری بیٹھ جاتے ہیں پھر سرکار عالی کی طرف سے جملہ حاضرین دربار کو عطر۔ پان اور ہار دئیے جاتے ہیں اور اوس کے بعد دربار برخاست ہوجاتاہے۔ ملک معظم قیصر ہند کی سالگرہ کے دربار کے موقع پر اور حضور انور دام اقبالہٗ کی سالگرہ کے موقع پر کچھ قیدیوں کو بھی رہا کیا جاتاہے اور بینڈ و کمپنی ہر دربار کے موقع پر ایستادہ یعنی کھڑی رہتی ہے اور بینڈ وغیرہ بجتا رہتاہے۔ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے موقع پر ہونیوالی نذریں تین دن تک ہوتی رہتی ہیں۔ اوّل دن تو خاندان کی نذروں کا دربار ہوتاہے۔ دوسرے دن اہلکاران کی نذروں کا اور تیسرے دن اہلِ فوج کی نذروں کا دربار ہوتاہے۔ ایسا صرف دو عیدوں کے ہی موقع پر ہوتاہے۔ باقی اور موقعوں پر ہونے والے دربار

ایک ہی دن ہوتے ہیں۔ اہل دربار کی پوشاک یہ ہوتی ہے:۔
سر پر پگڑی چلہ دار یا سیلہ یا مندیل۔ سیلہ میں پلو و کورین زرین ہوتی ہیں۔ اسی طرح مندیل میں بھی کورین۔ پلو اور بیچ کی لکیریں بھی زرین ہوتی ہیں۔ یا زرین لونگی ہوتی ہے اور جسم پر چوغہ و شیروانی پائجامہ۔ کمر پر پٹی اور پرتلہ اور ہتھیاروں میں تلوار چوغہ اور شیروانی یا تو سفید کپڑے کی ہوتی ہے یا کسی اور اچھے کپڑے کی۔

فقیر یعنی بھیک مانگنے والوں کا مختصر ذکر

یہاں شہر میں ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ تمام بازاروں اور گھروں پر بطور بھیک کے مانگتا پھرتا ہے اس کو یہاں کی اصطلاح میں بھیک کہتے ہیں۔ اس گروہ کا دستور یہ ہے کہ ہر ہر محلے اور ہر ہر مکان پر جاکر بھیک مانگتا ہے۔ اس میں سے بعض بعض تو دن میں بھی بھیک مانگتے ہیں مگر زیادہ تر رات کو ہی مانگتے ہیں بعض کا طریقہ تو یہ ہے کہ خدا کا نام لیکر مانگتے ہیں اور بعض کا طریقہ یہ ہے کہ رسولوں کا نام لیکر مانگتے ہیں اور بعض لوگوں نے اپنے دل سے کچھ صدا گڑھ لی ہے وہ لگا لگا کر مانگتے ہیں اور رسولوں کی اولاد کا نام لے لے کر اور اون کا واسطہ دے دے کر مانگتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ تو واقعی ایسے ہی محتاج ہیں جو خیرات کے مستحق ہیں اور اون کو واقعی خیرات دینا چاہئیے مگر اکثر ان میں ایسے ہیں جو اچھے خاصے جوان اور تندرست ہیں لیکن اون کی مانگنے کی عادت پڑ گئی ہے اور اسی لئے بغیر محنت کی کمائی کئے مانگتے پھرتے ہیں اور اسے انھوں نے ایک پیشہ سمجھ کر آبائی واجدائی طریقہ پر جاری کر رکھا ہے۔

میرے نزدیک ایسے تندرست اور جوان لوگوں کے مقابلہ میں اگر مساکین اور محتاجیں جو چلنے پھرنے تک سے معذور بوڑھے۔ نابینا۔ لنگڑے اور لولے ہیں ایسوں کو خیرات دیا جانا بہت بہتر ہے میری رائے میں خیرات کا ایک فنڈ قائم کیا جاکر یعنی کچھ رقم مخصوص کی جاکر ان اپاہج۔ بوڑھے۔ لنگڑے اور لولے لوگوں کو سرکاری طور پر خیرات تقسیم کی جاوے تو مناسب ہے اور ان سب جوان لوگوں کی جو تندرست اور ہٹے کٹے ہیں اور جنھوں نے بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے ان کی بندش کی جاوے تو بہت زیادہ مناسب ہے۔ مانگنے والے لوگ ایسے کلمات اور ایسے جملے بنا بنا کر مانگتے ہیں کہ جس سے بزرگانِ دین کی ایک قسم کی توہین ہوتی ہے اور ایسا کرنا مذہباً بھی بُرا ہے۔

ہمارے یہاں کی پولیس کے انتظام کا طریقہ

تیس برس پہلے تو یہاں پر یہ قاعدہ تھا کہ کوتوال اور پولیس کے ماتحت ایک صیغہ چوکیدارو کے نام سے تھا جس میں خاصکر مینا لوگ (جو یہاں دیہات کی ایک قوم ہے) مقرر ہوتے تھے اور بعض بعض دوسرے لوگ بھی ہوتے تھے۔ ہر چوکیدار کا الگ الگ حلقہ بندھا ہوا تھا کہ اوس حلقہ میں چوری وغیرہ ہو تو اوس مال کی برآمدگی اور دیگر واقعات کی تلاش اوس کے ذمہ ہوتی تھی اور جب کوئی چوری ہو جاتی تھی وہ بڑے افسر یعنی کوتوال اونھیں بلاکر حکم دیتا تھا۔ کہ یا تو چوری برآمد کی جاوے ورنہ چوری کے متعلق سختی کی کارروائی کی جاویگی۔ اس میں اکثر ۹۰ فیصدی چوری برآمد کرکے مال لا دیتے تھے اور ۹۰ فیصدی مقدمات برآمد ہو جاتے تھے اس طریقہ سے رعایا اور ریاست کو بہت آرام تھا مگر اتنا ضرور کرتے تھے کہ بعض بعض مقدمات

میں مال لاتے تھے لیکن ملزمان کو نہیں بتاتے تھے کیونکہ وہ اپنے راہ و رسم و بھائی بندی کے طور پر یہ کارروائی
کرتے تھے لیکن اب جو پولیس کا طریقہ جدید ہمارے یہاں قائم ہوا ہے اوسمیں چوکیدارہ بالکل نہیں رکھا گیا
ہے اور یہی انتظام ہے کہ پولیس کا یہ فرض ہے کہ چوری کا مال معہ ملزمان کے برآمد کرے اور دیگر واقعات
کا بطور خود پتہ لگائے۔ یہ طریقہ بظاہر تو اچھا ہے مگر جب سے یہ طریقہ جاری ہوا ہے بیس فیصدی چوری
برآمد ہوتی ہے یعنی باقی مقدمات میں نہ تو مال مسروقہ کا پتہ چلتا ہے نہ ملزموں اور دیگر واقعات کا اور
اکثر مقدمات عدم پتہ میں خارج ہو جاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آیندہ شاید اچھا نتیجہ نکلے۔ ایک یہ بھی فرق ہے
کہ جس زمانہ میں چوکیدارہ کا انتظام تھا۔ پولیس والوں کی بہت کم تنخواہیں تھیں۔ لیکن اب تعداد بھی زیادہ
ہوگئی ہے اور تنخواہیں بھی چوگنی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوگئی ہیں اور کاغذی کام بھی بہت بڑھ گیا ہے

میرا ابتدائی حال

میری جب نو یا دس سال کی عمر تھی میری والدہ کا انتقال ہوگیا۔ میری والدہ صاحبزادہ
احمد یار خاں کی بیٹی تھیں اور صاحبزادہ احمد یار خاں نواب امیرالدولہ بہادر کے بیٹے تھے گویا میری
والدہ نواب امیرالدولہ صاحب کی پوتی تھیں اون کا نام رحمانی بیگم تھا۔ اُن کی جب والد صاحب
مرحوم کے ساتھ شادی ہوگئی تو اوس وقت میرے چچا نواب ابراہیم علیخاں صاحب بہادر مرحوم مغفور
جنت آرام گاہ نے قمرالزمانی بیگم کا خطاب دیا تھا وہ اونکی یعنی میری والدہ نواب صاحب مرحوم کی
بھاوج تھیں۔ اس لئے کہ میرے والد صاحب نواب صاحب بہادر موصوف کے سگے بھائی تھے۔ پھر

دو سال بعد میری نانی کا انتقال ہوگیا۔ بعدہ میں اپنے والد کے پاس رہا۔ میرے والد نے بھی اللہ تعالیٰ اون کو جنت نصیب کرے۔ مجھے ہی نہیں بلکہ ہم سب بہن بھائیوں کو نہایت اچھی طرح بڑے آرام و آسایش کیساتھ پرورش کیا اور تعلیم و تربیت کا بھی خیال فرمایا۔ عربی و فارسی کی بچپن میں میری تعلیم ہوئی اور اردو وغیرہ کی بھی۔ میرے والد صاحب نے اپنی نگرانی میں تعلیم دلائی اور تربیت کا بھی بہت خیال رکھا۔ بری جگہ اور بری صحبت سے ہمیشہ بچائے ہوئے رکھا میں نے عربی مولوی عبدالرحیم صاحب جو شرع شریف میں بڑے مفتی ہیں اون سے پڑھی ہے۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں جب میرے والد بعہدہ جرنیل فوج مقرر ہوئے تو میں بھی اون کی جس وقت پیشی ہوتی تھی۔ کام کو دیکھتا رہتا تھا اور اوس کے بعد میرے چچا نواب ابراہیم علیخاں صاحب بہادر نے جنوری سنہ ۱۹۱۴ء عیسوی میں سب سے اول مجھے اپنا اے۔ ڈی۔ سی۔ یعنی ایڈیکانگ مقرر کیا چنانچہ سات سال تک اونکی پیشی اور خدمت گذاری میں وقت گذارا۔ اس کے بعد اگست سنہ ۱۹۲۱ء میں میرے چچا نواب ابراہیم علیخاں صاحب بہادر نے پھر مجھے جرنیل فوج مقرر کیا۔ آٹھ ۹ نو برس تک میں اس عہدہ پر رہا اور خداوند کریم کے فضل و کرم سے بہت اچھی طرح اپنے کار متعلقہ کو انجام دیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۲۹ء میں سخت افسوس کہ میرے والد صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ کا انتقال ہوگیا۔ ایسے الفاظ نہیں ملتے کہ جس سے اس رنج اور افسوس کا اظہار کیا جاسکے۔ خداوند کریم اون کو فردوس بریں عطا فرمائے۔ اون کی وفات کے بعد دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء میں مجھے بفضلہ تعالیٰ میرے چچا نواب ابراہیم علیخاں صاحب بہادر مرحوم نے ہوم ممبر مقرر کیا جو خدا کے فضل و کرم سے میں اوسی عہدہ پر ابتک ہوں اور خدا کی امداد سے خوش اسلوبی کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ یہ بھی یہاں قابلِ ذکر ہے کہ ۲۲ رجون سنہ ۱۹۳۰ء میں ایک صدمہ عظیم اور ہوا یعنی میرے چچا ہز ہائینس نواب محمد ابراہیم علیخانصاحب

بہادر کا انتقال ہوگیا اور آپ کے انتقال کے بعد بزرگوں میں ہمیں چاہنے اور محبت کرنے والا کوئی نہیں رہا جس کا جو صدمہ ہوا وہ اگر بیان کیا جاوے تو ایک کتاب ہونا چاہیئے۔ نواب صاحب مرحوم کے بعد میرے چچازاد بھائی موجودہ ہز ہائینس سعید الدولہ وزیر الملک محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ نواب مقرر ہوئے خدا کے فضل و کرم سے آپ نے بھی ایسی عنایت و مہربانی کی اور کرتے ہیں کہ ان سے پہلے بزرگوں کا جو صدمہ تھا۔ اوس کو بھی بھلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو اسی طرح مہربان اور شفقت فرمانے والا رکھے اور مجھے آپکا سچا بہی خواہ اور سچی اطاعت کرنے والا رکھے۔ آمین!

میرے سیر سفر کے متعلق حالات

(شہر جے پور)

میرا شروع سفر ۱۸۹۶ء یا ۱۸۹۵ء میں ہوا جب میرے بھائی صاحبزادہ عبدالوحید خاں اجمیر شریف تعلیم کے لئے گئے تھے اور وہاں سے چھٹی پر واپس آرہے تھے اوس زمانہ میں اجمیر سے جے پور ہو کر آیا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کو لینے کے لئے میں جے پور گیا تھا۔ جے پور یہاں سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر نہایت خوبصورت شہر ہے۔ راجپوتانہ میں اس کا سب سے اوّل درجہ ہے۔ اسے راجہ جے سنگھ دوم نے بسایا ہے جسے دو سو۔ ڈہائی سو برس گذرے ہونگے۔ سڑکیں اسمیں بڑی کشادہ ہیں۔ سات۔ آٹھ سوار برابر نکل جاویں اور سڑک کے دونوں طرف دو۔ دو۔ تین۔ تین گز چوڑی آدمیوں کے پیدل چلنے کے لئے

پٹریاں ہیں اور پٹریوں کے بعد دوکانات بازار کی ہیں جو سب پختہ ہیں اور ان پر بڑی پختہ اور خوبصورت تین تین چار چار منزل عمارات بنی ہوئی ہیں۔ اس کے بازار مثل چوپڑ یعنی کھیلنے کی چوسر کی طرح ہیں۔ چوپڑ کے مقام پر ایک بڑا میدان بنا ہوا ہے۔ وہاں سے ایک بازار تو مشرق سے مغرب کو جاتا ہے اور دوسرا دوسری جانب اُسی طرح دو بازار شمال سے جنوب کو جاتے ہیں۔ جنکا دو جگہ تقاطع ہوتا ہے۔ اسی کو چوپڑ کہتے ہیں اور اس چوپڑ پر جو بڑا میدان آتا ہے اس کے بیچ میں اوس زمانہ میں ایک بڑا حوض تھا جو پانی سے بھرا ہوا رہتا تھا اور فوارے چلتے ہوتے تھے اور مخلوق چاروں طرف بیٹھی ہوئی ہوتی تھی لیکن اب وہ بند کردیا گیا ہے اور چبوترہ کی شکل کر دی ہے۔ نواب فیاض علی کا مدار کے زمانہ میں تاکہ مخلوق شہر وغیرہ وہاں بیٹھکر سیر کرسکے۔ آبادی اس شہر کی بڑی کثرت سے ہے اور رعایا بھی وہاں کی بڑی آسودہ حال معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ شہر کی روزانہ ایسی حالت ہوتی ہے جیسی اور شہروں میں تہواروں پر ہوتی ہے اور وہاں کی عورتیں وغیرہ جو بازار میں دیکھی جاتی ہیں۔ زیورات سے لدی ہوتی ہیں جس سے خوشحالی معلوم ہوتی ہے۔ جس زمانہ میں میں نے جے پور شروع میں دیکھا وہاں کے رئیس مادھو سنگھ دوئم تھے۔ وہاں ایک باغ شہر کے جنوب سانگانیری دروازہ سے اجمیری دروازہ تک لمبا اور بڑا چوڑا نہایت خوشنما اور لاکھوں روپیہ سے تعمیر کیا ہوا لائق دیکھنے کے ہے۔ اوس کا نام رام نواس ہے اور اس میں ایک کوٹھی ایسی ہے کہ جسکی تعمیر میں کئی لاکھ روپیہ صرف ہوا ہوگا۔ اس میں ایک عجائب خانہ بھی رکھا گیا ہے۔ جو فی الحقیقت دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہزاروں چیزیں وہاں قسم قسم کی موجود ہیں۔ کوٹھی بھی بڑی خوبصورت اور خوشنما ہے۔ باغ میں بھی بڑی بڑی سڑکیں ہیں۔ جن کے دونوں طرف اور باغ میں سب جگہ دوب لگی ہوئی ہے اور جا بجا حوض بنے ہوئے ہیں اور قسم قسم کے جانور۔ ہرن۔ مور

بندر۔ مرغ۔ شیر۔ چیتے وغیرہ پرند۔ چرند بھی وہاں مکانات اور پنجروں میں ہیں جو بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔
شہر کے چاروں طرف کوٹ کھنچا ہوا ہے اور اندر۔ شہر میں داخل ہونے کے لئے چھ سات دروازہ ہیں اور خوبی
یہ ہے کہ سب ایک ہی قسم کے معلوم ہوتے ہیں۔ وضع۔ قطع اور دالان کے سامنے کی گھونگھٹ کی دیوار وغیرہ
سب یکساں ہیں ایک دروازہ سے جاکر دوسرے دروازے سے آوے تو بالکل وہی معلوم ہوتا ہے
اس کو یورپ سے بھی بہت لوگ خاص طور پر دیکھنے آتے ہیں اور دیکھکر تعجب کرتے ہیں کہ دو سو ڈھائی سو
برس اوّل بھی ایسے دماغ کے آدمی تھے کہ جنھوں نے اس خوبی کے ساتھ اس کو آباد کیا ہے۔ مردم شماری
کے لحاظ سے تعداد اہلِ ہنود کی زیادہ ہے مگر تھوڑے بہت مسلمان بھی وہاں آباد ہیں۔ جس زمانہ میں میں نے
جے پور دیکھا مہاراجہ صاحب کے اصطبل میں قریب تین سو گھوڑے اور سو ہاتھی تھے لیکن اب یعنی اس وقت
کم ہے۔ راجپوتانہ کی ریاستوں میں ہاتھیوں کا رواج اس وقت تک ہے اور اس شہر میں ایک خاص خوبی
یہ ہے کہ ہر گلی کے مقابلہ میں دوسری گلی اور ہر بازار کے مقابلہ میں دوسرا بازار ہے۔ اب شہر کے چاروں طرف
جو کوٹ قدیمی ہے اوس کے باہر بھی بہت آبادی ہوگئی ہے۔ اور شہر کے بازار کی سڑکیں بہت زیادہ کشادہ
یعنی بہت چوڑی ہیں اور ایک طرف سے دوسری طرف تک بالکل سیدھی ہیں۔ اور چوپڑیں بازار میں تین
جگہ پڑی ہوئی ہیں۔ راجپوتانہ میں اس سے زیادہ خوبصورت شہر کوئی نہیں ہے اور اب تو بیسوں بار شہر
جے پور دیکھنے میں آیا ہے۔

(اجمیر شریف)

۱۸۹۰ء میں میں نے پھر اجمیر دیکھا جبکہ لارڈ ایلگن وائسرائے ہند اجمیر دورہ پر آئے ہوئے تھے

اور ہمارے سرکار نواب سر محمد ابراہیم علیخانصاحب بہادر بھی ملاقات کے لئے وہاں گئے تھے۔ اجمیر بھی ایک اچھا خوبصورت شہر ہے۔ بہت زیادہ حسین تو نہیں ہے مگر پرانی وضع کا اچھا ہے۔ جس وقت میں نے اسے دیکھا تھا جب پورے چھوٹا تھا لیکن بمقابلہ اوسوقت کے اب آبادی زیادہ ہو گئی ہے۔ یعنی کئی میل تک بڑھ گئی ہے۔ وہاں پر بہترین چیز حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ ہے۔ اس میں قبر پر بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے اور کٹہرا جمنی چاندی کے کٹہرے لگے ہوئے ہیں اور زرین چادر اون کی قبر پر پڑی ہوئی ہے۔ علاوہ اسکے اور سازوسامان بھی بہت سا ہے۔ یہ بہت مقبول عام بزرگ ہیں۔ کل ہندوستان میں انکا اعتقاد ہے اور یہ ایک خاص بات ہے کہ وہاں مانگی ہوئی دعا اللہ تعالی اکثر قبول فرماتا ہے۔ میں نے بھی اللہ تعالی سے اوس درگاہ پر خاص طور پر رجوع ہو کر دعا مانگی تھی وہ خداوند کریم نے قبول فرمائی اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواجہ صاحب قبول کرتے ہیں یا وہ دیتے ہیں یا لیتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ خدا کے وہ ایسے خاص بندہ تھے کہ اوس جگہ اللہ تعالی کے برکات نازل ہوتے رہتے ہیں اس لئے وہاں مانگی ہوئی دعا اللہ تعالی قبول فرمالیتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالی کی اوسکے نیک بندوں پر رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں جاکر دعا مانگنا باعث قبولیت ہوتا ہے وہاں پر کئی مغلیہ بادشاہوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بھی ہیں۔ شاہجہاں کی مسجد اور قبہ کے سامنے کی عمارت اور اکبر بادشاہ کی مسجد بنی ہوئی ہے اور ایک بڑی عمارت محفل خانہ کے نام سے بھی بنی ہوئی ہے اور دیگر عمارتیں بھی ہیں جہاں غربا فقرا وغیرہ پڑے رہتے ہیں۔ ایک بڑا دروازہ علاءالدین غوری کا بنایا ہوا ہے۔ جسے دروازہ کلاں کہتے ہیں۔ ایک شرقی دروازہ موجودہ نظام عثمان علیخانصاحب نے بنوایا ہے۔ درگاہ شریف میں دو بڑی بڑی دیگیں بھی ہیں۔ جن میں پچاس پچاس سو سو من کھانا پکتا ہے۔ ایک پانسو روپیہ میں تیار ہوتی ہے اور ایک ایک ہزار روپیہ میں۔ بہت سے لوگ جن کی

اللہ تعالیٰ مراد پوری کرتا ہے۔ اوس کے نام پر کھانا پکا کر محتاجوں کو دیتے ہیں۔ وہاں ایک لنگر خانہ بھی رہتا ہے کیونکہ درگاہ کی آمدنی کافی ہے بہت سے بادشاہوں رئیسوں وغیرہ کی طرف سے دی ہوئی جاگیر وغیرہ اور بہت سی دوکانیں وغیرہ جائداد ہے جس سے بڑی آمدنی ہوتی ہے۔ چنانچہ اوس آمدنی سے غربا و مساکین کو روزانہ کھلایا جاتا ہے۔ ۶ رجب کو ہر سال خواجہ صاحب کا عرس ہوتا ہے۔

یکم رجب سے ۶ رجب تک بڑا مجمع رہتا ہے۔ ہندوستان کے وہاں ہزاروں آدمی آتے ہیں اور عرس میں شریک ہوتے ہیں۔ وہاں ایک تالاب اناساگر کے نام سے ہے۔ یہ بھی بڑی خوشنما جگہ ہے۔ اس کی پال پر سنگ مرمر کی عمارت شاہجہاں بادشاہ کے وقت کی ہیں جو بڑی عمدہ اور خوبصورت بنی ہوئی ہیں اور ان کو بنے ہوئے تین سو برس کے قریب ہوگئے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی بنی ہیں تالاب اناساگر بہت بڑا ہے اور اس کی پال کے دونوں طرف پہاڑیاں ہیں جن پر کوٹھیاں بڑی خوشنما بنی ہوئی ہیں۔ ایک عمارت وہاں ڈھائی دن کا جھونپڑا مشہور ہے یہ بھی اچھا بنا ہوا ہے۔ یہاں یعنی اجمیر ایک ریلوے کارخانہ بھی ہے جہاں انجن گاڑیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ یہ بہت بڑا کارخانہ ہے یہاں ایک کالج بھی ہے جو "میو کالج" کے نام سے ہے۔ اسمیں راجپوتانہ کے رئیسوں، جاگیرداروں اور امیروں کے صاحبزادگان کو تعلیم دیجاتی ہے۔ یہ عمارت بھی بڑی خوشنما ہے۔ یہ تمام راجپوتانہ کے رئیسوں کے چندہ سے تعمیر ہوا ہے۔ چونکہ اس کی بنیاد لارڈ میو گورنر جنرل ہند نے ڈالی تھی۔ اس لئے اس کا نام میو کالج رکھا گیا ہے۔ اجمیر سے نو دس میل کے فاصلہ پر ایک ہندوؤں کی تیرتھ گاہ (زیارت گاہ) ہے جس کا نام پشکر ہے وہاں ہر سال ہندی کاتک کے مہینہ میں ایک بہت بڑا میلہ کاتک اشنان یعنی نہانے کا ہوتا ہے وہاں ہندوستان کے بہت سے حصوں سے ہندو آتے اور میلہ میں شریک ہوتے ہیں اسی وقت جانوران کا بھی وہاں میلہ ہوتا ہے۔

جس میں ہزاروں بیل اور سینکڑوں گھوڑے اور اونٹ جمع ہوتے ہیں۔ میں نے بھی اس میلہ کو دیکھا ہے اور چند جانوران بھی وہاں سے خرید کئے ہیں یہ میلہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ وہاں اوّل تو ہمارے حضور نواب صاحب مرحوم نے لارڈ ایلگن صاحب بہادر وائسرائے ہند سے خود ملاقات کی تھی اور پھر خود وائسرائے صاحب بہادر موصوف بازدید ملاقات کے لئے قیام گاہ نواب صاحب بہادر ممدوح پر آئے تھے اور باقاعدہ گویا دربار کی سی صورت ہوگئی تھی۔ دربار میں نشست اس طرح تھی کہ لاٹ صاحب اور سرکار تو برابر کرسیوں تھے اور پھر لاٹ صاحب کی لائن میں تو اون کے یہاں کے افسر بڑے صاحب وغیرہ تھے اور ہمارے سرکار کی طرف کی لائن میں ہمارے یہاں یعنی ریاست کے افسر تھے اوس دربار میں مَیں بھی شریک تھا۔

(سفر آبو و بمبئی)

سنہ ۱۹۰۱ء میں جب میرے والد صاحب مرحوم صاحبزادہ عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ جو اس وقت یہاں نائب ریاست تھے بڑے صاحب سے ملاقات کرنے کوہ آبو تشریف لے گئے تھے۔ اون کے ہمراہ میں بھی گیا تھا۔ کوہ آبو ریاست سروہی کی سرحد میں ایک پہاڑ ہے۔ جس کے اوپر مئی و جون یعنی موسم گرما میں بڑی خنکی یعنی ہلکی سردی رہتی ہے اور لو وغیرہ بالکل نہیں چلتی۔ وہاں یعنی اس پہاڑی پر بہت بنگلے اور کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں اون میں وہاں آکر اکثر راجپوتانہ اور دیگر جگہ کے انگریز و ہندوستانی بڑے افسر دو تین مہینہ گرمی کے موسم میں رہتے ہیں۔ وہاں پر ایک تالاب بھی بہت اچھا ہے۔ جسکو نکی کہتے ہیں اور وہاں ہی پہاڑی پر پولو کا میدان اور کرکٹ۔ ٹینس وغیرہ کے میدان وغیرہ بہت سے بنے ہوئے ہیں۔ یہ بڑی خوبصورت جگہ ہے سرسبز جھاڑی ہے اور اچھے اچھے وہاں منظر ہیں۔ نیچے سے اوپر پہاڑ تک

ایک عمدہ سڑک بنی ہوئی ہے۔ شروع شروع میں جب میں وہاں گیا تھا تو اوس زمانہ میں وہاں پر بیلوں کی گاڑیاں اور گھوڑوں کے تانگے نیچے سے اوپر تک سواریوں کو لاتے اور لیجاتے تھے۔ آدھے پہاڑ پر چڑھنے کے بعد اچھی ٹھنڈی ہوا آنے لگتی ہے۔ سڑک چکر اور لہر کھاتی ہوئی پہاڑ پر گئی ہے لیکن اب پہاڑ پر موٹریں وغیرہ سب جاتی ہیں۔ میں پندرہ[۱۵] سولہ[۱۶] برس بعد پھر سنہ ۱۹۲۰ء میں اپنے چچا مرحوم نواب سر محمد ابراہیم علیخانصاحب بہادر صولت جنگ کے ساتھ وہاں گیا تھا چنانچہ اوس وقت میں نے دیکھا تھا کہ موٹریں اور دیگر سواریاں اوپر تک بڑی آسانی کے ساتھ جانے لگیں تھیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب میں اپنے والد صاحب مرحوم کے ہمراہ گیا تھا تو ایک دو دن وہاں قیام کرنے کے بعد اون سے اجازت لیکر اُدھر ہی سے بمبئی چلا گیا تھا لہذا اس طرح میں نے بمبئی کو بھی سنہ ۱۹۰۱ء میں پہلی مرتبہ دیکھا۔ یہ عجیب عمدہ اور بہتر شہر ہے اور بہت بڑا ہے۔ بنگال۔ کلکتہ۔ سنٹرل انڈیا وغیرہ جانے والی بہت سی ریلیں وہاں پر آتی ہیں۔ یہ سمندر کے کنارہ نہایت خوشنما مقام پر واقع ہے۔ ہندوستان کا یہ بہت بڑا بندرگاہ بھی ہے۔ بندرگاہ اوسے کہتے ہیں جہاں جہاز آکر ٹھہرتے ہیں اور سامان کی آمد ورفت اور مسافران کا سوار ہونا وغیرہ جہاں پر ہوتا ہے۔ بیسیوں جہاز وہاں پر آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ ان میں مسافران کے جہاز بھی ہوتے ہیں اور تجارتی مال وغیرہ کے بھی۔ یورپ۔ افریقیہ۔ جاپان۔ چین۔ مصر وغیرہ سب ملکوں کے ہوتے ہیں اور ہر شہر و ہر ملک کے مسافر اُترتے چڑھتے نظر آتے ہیں اور بیسیوں رنگ اور بیسیوں قسم کے جہاز وہاں کھڑے ہوتے ہیں۔ کشتیاں چلتی ہوتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ بندرگاہ و گودی کا منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ بمبئی میں تمام قوم کے آدمی دکھائی دیتے ہیں اس لئے کہ وہ بہت بڑا تجارتی بندرگاہ ہے۔ پارسی لوگ بہت خوشنما لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور انکی عورتوں کی پوشاک بھی نہایت عمدہ ہوتی ہے۔

ان میں پردہ کا رواج نہیں ہے۔ کھتری۔ برہمن۔ پارسی۔ بوہرہ۔ کھوجہ۔ اس طرح بہت سی قومیں وہاں بڑی حسین ہوتی ہیں۔ بمبئی کے بازار رنگ برنگ لباس کی مخلوق سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس زمانہ میں میں نے بمبئی دیکھی انجن اور بجلی کی ٹرام کا رواج نہیں تھا۔ شہر میں بگھیاں۔ گھوڑے۔ ٹم ٹم ہزارہا کی تعداد میں تھیں اور ٹرام بھی اس زمانہ میں گھوڑوں سے چلتی تھیں جس میں بڑے بڑے گھوڑے جتتے تھے۔ سمندر کے کنارے عجیب پُر لطف منظر ہوتا تھا۔ حدِ نظر تک آسمان اور پانی ملا ہوا دکھتا تھا اور بڑی بڑی موجوں کے تھپیڑوں کی وجہ سے جو کنارہ تک ٹکرا آتی تھیں بڑا شور ہوتا تھا۔

راجپوتانہ سے بمبئی تک ریل موجود تھی۔ وہاں بیسوں بازار ہیں جو ایک سے ایک زیادہ خوبصورت اور آباد ہیں۔ سب سے زیادہ خوبصورت اور مشہور ان میں قلعہ بازار ہے پہلے زمانہ میں یہاں کوئی قلعہ ہوگا جس کا اب تو وجود بھی نہیں ہے۔ لیکن بازار اب بھی اوسی نام سے مشہور ہے۔ مارکیٹ وہاں بہت عمدہ بنے ہوئے ہیں۔ جن میں میوہ۔ پھول وغیرہ ہر قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ان میں کرافٹ مارکیٹ بہت مشہور ہے وکٹوریہ ٹرمنس سٹیشن ایک بہت بڑا اسٹیشن ہے جس کی عمارت عالیشان ہے۔ شفاخانے بھی وہاں کثرت سے ہیں۔ گورنمنٹ کے تو خیر ہیں ہی مگر پبلک کے بھی بہت سے ہیں جہاں مفت علاج ہوتا ہے اور خیراتی طور پر دوا وغیرہ دیجاتی ہے کیونکہ وہاں پر تجار لوگ بہت آسودہ ہیں۔ لکھپتی اور کروڑپتی تک ہیں۔ اسی طرح مسجدیں بھی بہت اچھی اچھی بنی ہوئی ہیں اور سب آباد ہیں۔ اور مخلوق کی آسایش کا انتظام سب مسجدوں میں بہت اچھا ہے اور ایسے ہی اہلِ ہنود کے مندر وہاں پر اچھے اچھے تعمیر کئے ہوئے ہیں۔ ان میں بھی آسایش مخلوق کے لئے اچھا انتظام ہے۔ ایسے ہی گرجا گھر وغیرہ مذہبی معبد ہر قوم کے سب طرح کے ہیں۔ سیر و تفریح کی سڑکیں یوں تو وہاں پر بہت سی ہیں لیکن خاصکر

چوپاٹی۔کوئنس روڈ اور اپالو بندر وغیرہ پر ہر شام کے وقت بہت ہجوم رہتا ہے۔ وہاں لوگ سیر وغیرہ کے لئے بہت جمع ہوتے ہیں۔کوئنس روڈ بہت اچھی سڑک ہے۔میلوں تک بڑا خوش منظر ہے جو قابل دید ہے اور بال کیسر بھی بہت عمدہ جگہ ہے۔وہاں بھی آبادی ہے۔گورنر جنرل صاحب کی کوٹھی بھی وہاں ہی بنی ہوئی ہے۔پہاڑی آدھی سے زیادہ خشکی میں ہے اور نوک اوسکی سمندر کے اندر ملی ہوئی ہے۔یہاں بارش کثرت سے ہوتی ہے۔میں گیا اوسوقت جولائی کا مہینہ تھا اس لئے بارش خوب ہو رہی تھی۔گھوڑوں کے صطبل سوداگران کے خرید وفروخت کے لئے بہت بڑے بڑے ہیں۔ان میں بعض تو انگریزوں کے ہیں اور بعض ہندوستانیوں کے۔اس کے بعد پھر بھی میں نے بمبئی کو کئی مرتبہ دیکھا ہے اور اب سے آخری مرتبہ ۱۹۲۶ء میں دیکھا ہے اس وقت اور اسوقت میں اب زمین وآسمان کا فرق ہے۔اب ہزاروں موٹریں اور تمام ٹرامیں بجلی کی ہر گلی اور بازار میں موجود ہیں اور شہر بھی میلوں تک بڑھا دیا گیا ہے۔بعض جگہ تو سمندر پاٹ کر کے بڑھایا گیا ہے اور ایک چوپاٹی بھی نئی بنائی گئی ہے۔یہاں ہوٹل بھی نہایت عمدہ عمدہ کثرت سے ہیں۔جن میں خاصکر تاج محل ہوٹل نہایت عالیشان اور بہت بڑا ہوٹل ہے اوسمیں سینکڑوں آدمی کی رہایش کا انتظام ہے اور صدہا آدمیوں کی آمد ورفت رہتی ہے۔یہ عمارت سات۔آٹھ منزلی ہے اور اپالو بندر پر واقع ہے۔بندرگاہ پر جا کر دیکھا جاوے تو قابل دید عجیب کیفیت نظر آتی ہے۔بیسیوں جہاز کھڑے ہوئے ہوتے ہیں کسی میں مسافر جارہے ہوتے ہیں۔کسی میں آرہے ہوتے ہیں۔کسی میں سامان لادا جاتا ہے اور کسی سے اُتارا جاتا ہے۔شام کو شہر میں ہر مکان اور کوٹھے پر ہارمونیم وغیرہ کئی باجوں کے بجتے رہنے اور گانا ہوتے رہنے سے جو پُرلطف سماں ہوتا ہے اوس کا لطف دیکھنے اور سُننے ہی پر حاصل ہو سکتا ہے۔ہمارے شہر کے مقابلہ میں البتہ وہاں کھانے پینے کی

چیزیں گراں ہیں۔ یہاں آدمی ۴؍ میں بسر کر سکتا ہے وہاں بجائے اس کے بارہ آنہ یا ایک روپیہ ہونا چاہیے۔

(حالات دہلی وآگرہ)

دہلی میں نے ۱۸۹۸ء یا ۱۸۹۹ء میں شروع ہی شروع دیکھی۔ دہلی بہت پرانا شہر ہے اور شاہانِ سلف کا بھی یہ ہی پایۂ تخت رہا ہے۔ یہ ہندوستان کے تمام صوبوں کا جنکشن ہے۔ بنگال۔ مدراس۔ بمبئی۔ کراچی پنجاب وغیرہ سے یہاں ریلیں آتی ہیں۔ اس لئے یہ تجارت کی بھی بڑی منڈی ہے۔ بازار وغیرہ اچھے اچھے ہیں خاص کر وہاں کا چاندنی چوک بازار بہت زیادہ مشہور ہے۔ وہاں حسب ذیل چیزیں قابل دیکھنے کے ہیں:۔

جامع مسجد و لال قلعہ یہ دونوں عمارتیں شاہجہاں بادشاہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ ہمایوں کا مقبرہ قطب صاحب کی لاٹ۔ نظام الدین صاحب اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ۔ قطب صاحب کی درگاہ۔ جب اوس زمانہ میں شروع میں میں نے دہلی دیکھی تو ٹرام وغیرہ کچھ نہ تھی۔ چاندنی چوک کے بیچ میں شاہانِ مغلیہ کے زمانہ کی نہر موجود تھی۔ کہیں سے پٹی ہوئی تھی کہیں سے کھلی ہوئی تھی۔ سواریاں مسافران کے لئے بگھی۔ یکے اور باربرداری کے لئے بیلوں کی گاڑیاں وغیرہ تھیں۔ ٹرام موٹریں وغیرہ نہیں تھیں۔ اس کے بعد پھر میں نے کئی دفعہ دہلی کو دیکھا ہے۔ اب اوس وقت کے مقابلہ میں بہت زیادہ پُررونق ہو گئی ہے۔ ٹرام موٹریں وغیرہ بہت ہو گئی ہیں۔ یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے سلسلہ میں لارڈ کرزن نے جو دربار منعقد کیا تھا اوس میں سرکار عالی کے ساتھ میں بھی شریک ہوا تھا اور میرے والد صاحبزادہ عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ بھی سرکار عالی

کے ساتھ گئے تھے جو اوسوقت نائب الریاست تھے۔ وہ بہت بڑا اور نہایت عمدہ قابل دیکھنے کے جلسہ تھا۔ وہاں
اوس موقع پر اوس دربار میں ڈیوک آف کیناٹ شاہ ایڈورڈ ہفتم کے چھوٹے بھائی بھی شریک دربار ہونے کے لئے
لندن سے آئے تھے۔ جس روز شہزادہ صاحب اور لاٹ صاحب شہر دہلی میں داخل ہوئے ہاتھیوں پر جلوس
کے ساتھ قیام گاہ تک تشریف لائے تھے۔ شہزادہ صاحب اور لاٹ صاحب بھی ہاتھیوں پر سوار تھے اور تمام
رئیس بھی جو قریب ساٹھ ستر کے تھے۔ گویا تمام رئیس بھی ہاتھیوں پر سوار تھے اور جلوس میں دو دو رئیسوں کے
ہاتھی برابر قطار بندی کی صورت میں تھے۔ رئیس کے بداون کے بھائی۔ بیٹے ہاتھیوں پر تھے جو قریب پچاس
ساٹھ کے تھے۔ باقی اور افسر بڑے بڑے تھے اس طرح تقریباً ڈیڑھ سو دو سو ہاتھیوں کے قریب اوس
جلوس میں تھے جو فی الحقیقت قابلِ دید تھا۔ زرّین جھولوں اور گنگا جمنی ہودوں (ہودج) اور زیورات
سے تمام ہاتھی آراستہ تھے منظر بڑا دلکش تھا۔ جلوس اسٹیشن سے سیدھی جو سڑک جاتی ہے اوس سے قلعہ
کے نیچے نیچے گذر کر پھر جامع مسجد کے جنوب مغرب شمال میں ہوتا ہوا چاندنی چوک کی طرف روانہ ہوا چنانچہ
پورے بازار چاندنی چوک میں ہوکر اون کی قیام گاہ پر پہونچا۔

ہندو۔ عیسائی۔ میمن وغیرہ تماش بین ہزاروں کی تعداد میں تھے اور ہر رئیس کے لئے الگ الگ
کیمپ قائم کئے گئے تھے۔ اسطرح کہ راجپوتانہ کے رئیسوں کا ایک جگہ۔ سنٹرل انڈیا کے رئیسوں کا ایک جگہ
کاٹھیاواڑ کا ایک جگہ۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر رئیسوں کا بھی جس میں خیموں۔ ڈیروں وغیرہ کی تعداد ہزاروں
کی تھی اور ہر رئیس کے ساتھ رسالہ۔ پلٹن وغیرہ لوازمہ اور بھائی بیٹے وغیرہ سب تھے اس سے بخوبی
اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہاں اوسوقت کس قدر ہجوم ہوگا۔ دربار کا مقام کشمیری دروازہ کے باہر بنایا گیا
تھا جس میں دس پندرہ ہزار آدمیوں کی نشست کا انتظام تھا۔ اور چالیس ہزار فوج انگریزی یعنی

گورنمنٹ کی وہاں یعنی دہلی شرکت دربار کے لئے آئی تھی جو دربار کے مقام کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس کل فوج نے دربار کے عین موقع پر سلامی دی تھی۔ اس دربار میں صرف ایک موٹر شروع ہی شروع دیکھنے میں آئی تھی۔ جس کو لوگ نہایت تعجب کے ساتھ دیکھتے تھے۔ اسی طرح سنہ ۱۹۱۱ء میں شاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کا دربار بھی ۱۲ر دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو وہاں ہی یعنی دہلی ہی میں ہوا تھا اوس میں بھی بہمراہ حضور نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ میں گیا تھا اور والد صاحب مرحوم صفدر جنگ بھی تھے۔ اس دربار میں خود شہنشاہ معظم جارج پنجم لندن سے تشریف لائے تھے۔ اونکا داخلہ دہلی ۷ر دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو ہوا تھا اوس دن بھی بڑا جلوس قابل دیکھنے کے تھا۔ یہ جلوس بگھیوں میں تھا۔ سب رئیس بگھیوں میں تھے جن میں چار چار گھوڑے جتتے ہوئے تھے۔ ملک معظم جارج پنجم گھوڑے پر سوار تھے اور وائسرائے و کمانڈر ان چیف مشکی رنگ کے گھوڑوں پر سوار تھے اور ملک معظم کے دونوں طرف تھے۔ یہ جلوس بھی قابل دید تھا۔ اس میں ایک بگھی آگے اور ایک پیچھے اسطرح ترتیب تھی۔ بگھیوں کی تعداد سینکڑوں کی تھی۔ تمام بگھیاں نہایت عمدہ عمدہ اور آراستہ و پیراستہ تھیں اور گھوڑوں پر گنگا جمنی سامان زیور وغیرہ پڑا ہوا تھا۔ یہ جلوس بھی اوسی طرح اسٹیشن سے قلعہ کے نیچے کی طرف سے سڑک جامع مسجد کے جنوب و مغرب و شمال میں ہوتا ہوا چاندنی چوک ہوکر قیام گاہ ملک معظم میں ختم ہوا تھا۔ یہ دونوں دربار سنہ ۱۹۰۳ء و سنہ ۱۹۱۱ء کے میں نے نہایت اچھی طرح دیکھے ہیں۔ اس دربار کا مقام بھی کشمیری دروازہ سے باہر اوسی حیثیت و صورت سے تیار و آراستہ کیا گیا تھا۔ فوج کی تعداد اس موقع بھی وہی چالیس۴۰ پچاس۵۰ ہزار کی تھی۔ ہر رئیس کے ساتھ فوجیں تھیں۔ اس دربار کے موقع پر وہاں موٹریں سینکڑوں تھیں اور تمام انتظام سڑکوں وغیرہ کا نہایت عمدہ تھا۔ اس دربار میں شریک ہونے کے لئے وہاں جو رئیس آئے تھے۔ اونکا کیمپ ایک ہی جگہ

رکھا گیا تھا اور بڑا سجا ہوا تھا۔ ہر رئیس کا کیمپ ایک نمایش گاہ معلوم ہوتا تھا۔ پانی کے لئے تمام کیمپ میں نہروں کا انتظام تھا اور کھانے پینے کے ذخیروں اور دوکانات کا ہر کیمپ میں انتظام تھا اور بجلی کی روشنی کا بھی اسی طرح انتظام تھا۔ اوسوقت کا منظر واقعی قابل دیکھنے ہی کے تھا جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس شان و شوکت اور طرز کا دربار آیندہ مشکل ہی سے ہوگا۔ اسی طرح اس دربار کے موقع پر جو ہندوستان کے رئیسوں اور دیگر ہندوستانیوں نے جس عقیدت و اطاعت کا اظہار بادشاہ کے سامنے کیا وہ بہت ہی پُر اثر تھا۔ اس موقع پر ملک معظم کی طرف سے یہ اظہار و اعلان کیا گیا تھا کہ پایہ تخت دہلی کو پھر کیا جاوے اس لئے کہ جب سے گورنمنٹ برطانیہ کا ہندوستان پر قبضہ ہوا ہے اوس وقت سے اسوقت تک ہندوستان کا پایہ تخت کلکتہ ہی رہا ہے اور وائسرائے ہمیشہ کلکتہ ہی رہتے ہیں۔ لیکن اب وائسرائے بجائے کلکتہ کے دہلی ہی قیام پذیر ہوں اور اوس کے واسطے ایک نیا شہر بسایا جاوے۔ اس شہر کا سنگِ بنیاد ملک معظم جارج پنجم نے خود اپنے ہاتھ سے رکھا اور یہ شہر اوسی وقت سے بننا شروع ہوا جس کو رائے سینا کہتے ہیں۔ نو دس برس ہوئے ہیں کہ وہ تیار بھی ہو گیا ہے۔ اور وائسرائے غیرہ اب بجائے کلکتہ کے دہلی ہی میں رہتے ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے اس شہر کا نام "نئی دہلی" رکھا گیا ہے یہ شہر دہلی کے جانب جنوب اور دہلی سے متصل ہے گویا دونوں کی آبادی مل گئی ہے۔ اس سے اب بہت بڑا شہر ہو گیا ہے۔ نئی دہلی میں بہت بڑی بڑی عمارتیں۔ سڑکیں اور بڑے بڑے حوض اور فوارے اور عمدہ عمدہ نہریں بنائی گئی ہیں۔ مکانوں کی قطار سیدھی ہے اور سڑکیں بھی سیدھی ہی بنائی گئیں ہیں۔ سڑکیں اور مکانات نہایت وسیع اور کشادہ ہیں جس سے آبادی گنجان نہ ہو۔ جب میں نے دہلی دیکھی اوسوقت آگرہ بھی چلا گیا تھا۔ جب ہم آگرہ پہنچے اور وہاں کا لال قلعہ دیکھا جو

جمنا کے کنارہ ہے تو اوس کے دیکھنے سے مجھ پر ایک نہایت سنسنی خیز حالت پیدا ہوئی اور دل میں یہ خیال آیا کہ یہ ہی مشہور جگہ ہے جہاں پر دنیا کے بہت مشہور بادشاہ اور بڑے بڑے مدبر رہتے تھے اور ہندوستان کی بادشاہت اور کاروبار سلطنت کرتے تھے۔ جن کی تعریف و توصیف بیسیوں کتابوں میں درج ہے جیسے محمد جلال الدین اکبر بادشاہ اور اُس کے وزرار۔ بیربل۔ فیضی۔ خانخاناں۔ ابوالفضل۔ راجہ ٹوڈرمل و راجہ مان سنگھ وغیرہ جو انھیں مکانات اور عمارتوں میں رہتے تھے اور چلتے پھرتے تھے اور جنکا اب نام ونشان بھی نہیں ہے اور نہ جن کی اب نسلیں ہی ہیں جس سے فی الحقیقت خداوند تعالیٰ کی وحدانیت ظاہر ہوتی ہے اسے ابھی بہت زمانہ نہیں ہوا ہے۔ صرف تین سو برس پہلے ہی کا ذکر ہے جبکہ اونکا دنیا میں ڈنکہ بجتا تھا اور اب نام لینے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ یہ قلعہ اگرہ میں محمد جلال الدین بادشاہ نے بنوایا ہے اور وہ اپنی بادشاہت پچاس سال میں اسی جگہ رہا اور اوس کا بیٹا نورالدین جہانگیر بادشاہ بھی اسی قلعہ میں رہا۔ ان دونوں بادشاہوں کے عہد میں اکبرآباد یعنی اگرہ ہی پایۂ تخت ہندوستان رہا۔ یہ قلعہ نہایت خوبصورت سنگِ سُرخ کا بنا ہوا ہے جو اسوقت تک اچھی حالت میں ہے۔ گو وہ حالت تو نہیں ہے جو اوس زمانہ میں تھی لیکن اب بھی بہت سی عمارتیں مکمل بنی ہوئی ہیں۔ بیگمات کے محلات اور دیوان خانہ بنے ہوئے ہیں اور ایک بہت بڑی مسجد قلعہ کے اندر بنی ہوئی ہے اور تمام وزرار وغیرہ جو اوس زمانہ میں تھے اونکے مکانات بھی بعض بعض موجود ہیں۔ یہاں اگرہ میں تین چار چیزیں قابل دیکھنے کے ہیں۔ ایک تو انہیں سے لال قلعہ ہی ہے اور ایک تاج گنج جسے روضہ بھی کہتے ہیں۔ یہ شاہجہاں بادشاہ نے اپنی بیوی ارجمند جہاں بیگم عرف ممتاز محل کا مقبرہ بنوایا ہے۔ جو کل سنگِ مرمر کا ہے اور جمنا کے کنارے ہے اور ایک خوبصورت باغ لگا ہوا ہے جس کے اندر یہ واقع ہے۔ دروازہ اس کا بڑا عالیشان ہے اور دروازہ سے روضہ

تک حوض اور نہر بنی ہوئی ہے اور اوسمیں فوارے لگے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ اس باغ کے اندر اور بھی عمارتیں روضہ کے مشرق و مغرب میں سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ روضہ کی عمارت واقعی خاص طور پر قابل دیکھنے کے ہے دنیا کی عجائبات عمارتوں میں ایک عمارت یہ بھی ہے۔ جس کو لوگ یورپ۔ امریکہ اور دیگر اقلیمون سے دیکھنے کے لئے آگرہ آتے ہیں۔ دروازہ میں گھستے ہی آدمی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں کہاں آگیا اور طبیعت اوسکی اوسے دیکھتے ہی حیرت میں رہ جاتی ہے اور چکا چوندسی آجاتی ہے کہ وہ کیا دیکھے اور کیا نہ دیکھے۔ یہ روضہ ایک مربع شکل کا کئی سو گز چوڑا لمبا سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اور اس کے چاروں کناروں پر بہت بڑے مینار سنگِ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور بیچ کا گنبد قابل دیکھنے کے ہے جو بہت بلند ہے اور اسمیں کئی ہال اور کمرے بڑے بڑے ہیں۔ گنبد بیضاوی شکل کا ہے۔ یہ سب سنگِ مرمر کا ہے اس کے بیچ کے ہال میں شاہجہاں کی بیوی کی قبر ہے اور شاہجہاں بادشاہ شہاب الدین بھی اپنی وفات کے بعد اونکی بیوی کے قبر کے برابر اسی مقبرہ میں دفن کئے گئے ہیں صرف اس کے اندر دو قبریں ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ اس گنبد پر نہایت عمدہ پچیکاری کا کام ہے۔ جس سے اوسوقت کی صنعت ظاہر ہوتی ہے اور قلمی کام لکھائی وغیرہ کا بھی وہاں بہت نفیس ہے اور ایک سکندرہ یہ بھی بہت بڑی عمارت ہے جو سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے قابل دیکھنے کے ہے۔ یہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کا مقبرہ ہے جو شہر سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بھی واقعی قابل دیکھنے کے عمارت ہے۔ ایک اعتماد الدولہ کا مقبرہ ہے جو جہانگیر بادشاہ کے وزیر اور نور جہاں بیگم کے باپ تھے۔ یہ بھی دوسرے رُخ پر جمنا ہی کا کنارہ ہے۔ یہ عمارت بھی بہت اچھی ہے۔ بازاروں میں یہاں کا کناری بازار بہت مشہور ہے لیکن بہت تپلا ہے کوئی ایسا خوبصورت نہیں ہے۔

(حالات لاہور و جموں)

چونکہ ہماری ریاست اور ریاست کشمیر کے باہمی تعلقات اور رسم و رواج کا طریقہ جاری ہے لہٰذا اسی سلسلہ میں میرے چچا نواب محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر مرحوم مغفور نے یہاں ریاست کی طرف سے نیوتہ لیکر یعنی رسوم شادی لیکر مہاراجہ صاحب کشمیر کے پاس بھیجا تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۲۴ء کا ہے۔ اسوقت مہاراجہ صاحب کشمیر اپنے پائے تخت جموں میں قیام پذیر تھے۔ اس لئے میں یہاں سے جموں ہی گیا تھا۔ جموں کا راستہ لاہور ہوکر ہے۔ جموں واقعی ایک اچھا شہر ہے اور پہاڑیوں پر واقع ہے اور پہاڑیوں ہی کے سبب سے آبادی کہیں نیچی اور کہیں اونچی واقع ہوئی ہے۔ مکانات وغیرہ بہت اچھے اچھے بنے ہوئے ہیں۔ خاصکر مندر وہاں بہت ہیں۔ ہمیں جس کوٹھی میں ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ بہت اچھی کوٹھی تھی۔ ایک چھوٹی سی ندی جسکا نام "توی" ہے اس کے کنارہ پر بنی ہوئی ہے۔ یہ چھوٹی ندی پہاڑی پر ہے لیکن تھوڑا بہت پانی بارہ مہینہ بہتا ہے۔ جس زمانہ میں میں وہاں گیا تھا۔ اوسی کے قریب زمانہ میں مہاراجہ صاحب نے جموں سے ایک سڑک سری نگر تک بنوائی تھی جو کشمیر کا قدیم پائے تخت رہا ہے۔ پہاڑیوں اور ندیوں میں ہوتی ہوئی سڑک گئی ہے جس کا طول کئی سو میل ہے۔ اس کا کام بہت لایق لایق انگریزوں نے کیا ہے۔ اسکی لاگت وہاں کے لوگ ایک کروڑ روپیہ بتاتے ہیں۔ دیکھنے کے لئے میں بھی اس سڑک پر دس میل گیا ہوں۔ نہایت پرفضا اور سخت مقامات پرہوتی ہوئی گذری ہے۔ وہاں کے مناظر قابل دیکھنے کے ہیں۔ جموں سے بیس میل دریائے چناب ہے۔ اس دریائے جموں تک ایک نہر بھی پانی کی لائے ہیں جو نہایت مفید اور بہتر بات ہے۔ اسی نہر کے پانی سے وہاں بجلی کی قوت پیدا کی گئی ہے۔ جس سے تمام شہر میں

روشنی ہوتی ہے۔ اوس نہر کے کنارہ کنارہ، چناب تک ایک راستہ بھی ہے جو پختہ تو نہیں ہے لیکن صاف ہے۔ میں بھی اسی راستہ سے بیس۲۰ میل گیا ہوں اور میں نے بھی دریائے چناب کو دیکھا ہے۔ یہ دریا بڑا اچھا ہے۔ پنجاب کے مشہور دریاؤں میں سے ایک دریا ہے۔ میں اس کے کنارہ پر کھڑا ہو کر بہت دیر تک دیکھتا رہا ہوں۔ اس میں پانی پہاڑوں میں سے آتا ہے اس لئے اس کا پانی بڑا سرد ہوتا ہے۔ میں نے جب اُسے دیکھا مئی کا مہینہ تھا جس میں خوب گرمی ہوتی ہے مگر وہاں پر وہ زمانہ دریا کی طغیانی کا تھا اس لئے کہ گرمی کی وجہ سے برف پگھل کر اسمیں پانی آتا ہے اور موسم گرما میں بھی اسمیں پانی خوب بہتا رہتا ہے۔ وہاں پر ایک بات یہ میں نے خوب دیکھی کہ بڑے بڑے لٹھے ٹول کے ٹول بہتے ہوئے پانی میں آرہے تھے جن کو بیس۲۰ بیس۲۰ پچیس۲۵ پچیس۲۵۔ پچاس۵۰۔ پچاس۵۰۔ سو سو۱۰۰ لکڑوں کو باندھ کر آپس میں تراتے ہوئے لارہے تھے اور بہت دور سے آرہے تھے کیونکہ اون پر آدمی بیٹھے ہوئے کھانا پکاتے ہوئے جارہے تھے۔ نہ معلوم کس قدر فاصلہ سے آئے تھے اون کے ہاتھ میں بانس تھے اور ایک ایک دو دو بیٹھے ہوئے جارہے تھے نہ معلوم کہاں اونکا منزلِ مقصود تھا۔ پہاڑی جنگلوں میں مشکل گذار راستہ ہونے سے ایسی ریل یا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہاں سے لکڑی لائی جاسکے اس لئے وہ بذریعہ پانی بہاتے ہوئے لاتے تھے۔ دریائے چناب کی چوڑائی ہمارے یہاں جو دریا بناس ہے اس کے مقابلہ میں کم ہے مگر گہرائی وغیرہ زیادہ ہے اور پانی بہت ہے۔ ہمارے یہاں تو بناس میں چار پانچ مہینے کے بعد دہار پتلی رہجاتی ہے۔ چار پانچ دن جموں میں قیام کرکے مہاراجہ صاحب کے پاس نیوتہ پیش کیا۔ اوسوقت جو مہاراجہ تھے اونکا نام پرتاپ سنگھ تھا۔ بہت سادی طبیعت کے آدمی تھے۔ جس فرش پر بیٹھے ہوئے تھے ہمیں بھی اوسی پر بٹھایا اور بڑے اخلاق و سادگی کے ساتھ ملاقات کی۔ مہاراجہ صاحب کو گیوں (گائے) کا بڑا شوق تھا

اون کے محلات کے احاطہ میں ایک بڑا اصطبل بنا ہوا تھا جس میں تقریباً سو گائیں بندھی ہوئی تھیں اور ہر گائے اتنی بڑی تھی جیسے ناگوری بیل ہوتا ہے اور بہت تیار و مرتب۔ اس طرح پانچ۔ سات دن جموں رہکر واپس ہوئے۔ واپسی کے وقت میں نے شہر لاہور کو دیکھا جو نہایت قدیمی اور پرانا شہر ہے اور اچھا ہے اور پنجاب کا ہمیشہ صدر رہا ہے اور اب بھی صدر ہے۔ یہاں پر شاہی جامع مسجد قابل دیکھنے کے ہے جس کو بادشاہ اورنگ زیب نے تعمیر کرایا ہے۔ دہلی کی جامع مسجد کی سی وضع ہے لیکن دہلی کی مسجد سے بڑی ہے۔ ابھی اوس کے صحن کا فرش پختہ بنا ہوا نہیں ہے۔ ایک جہانگیر بادشاہ کا مقبرہ دریائے راوی کے پلے کنارہ لاہور سے پلی طرف بنا ہوا ہے۔ نورجہاں بیگم کا مقبرہ بھی میں نے دیکھا ہے جو نہایت خستہ حالت میں ایک چھوٹے سے مکان میں بنا ہوا ہے اور وہ مکان بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ اس کے دیکھنے سے بڑی عبرت ہوتی ہے کہ ہندوستان کی ایسی بڑی ملکہ جس کے حالات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں اوس کے مزار کی ایسی حالت ہے سچ ہے کہ بس خداوند کریم ہی کی ایک ذات ایسی ہے جس کی بڑائی۔ شان و شوکت اور عزو وقار ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ ایک وہاں باغ ہے جو شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بھی شاہان مغلیہ کا بنایا ہوا ہے اس کے کئی درجہ ہیں۔ اوّل سب سے اونچا دوسرا اوس سے نیچا۔ تیسرا سب سے نیچا۔ اول حصہ کے بیچ میں بہت اچھا مکان تعمیر کیا ہوا ہے اور اوس میں ہوتی ہوئی ایک نہر دوسرے درجہ میں جاتی ہے اور اسمیں ایک حوض ہے اور اوس کے چاروں طرف ایک بہت اچھا باغیچہ اور بیٹھنے کی جگہ وغیرہ بنی ہوئی ہے۔ اوسمیں نہر کا پانی گرتا ہے۔ حوض بہت بڑا ہے اور اوس پر صلیب کی شکل کا پل بنا ہوا ہے۔ ایک مشرق سے مغرب تک اور ایک شمال سے جنوب تک اور جہاں پر کراس ہوتا ہے یعنی ملتا ہے وہاں پر ایک تخت بادشاہ کے بیٹھنے کا سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اور فوارہ تمام حوض میں الگ بنے ہوئے ہیں جو قابل دیکھنے کے

ہیں یعنی یہ سب دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ واقعی بڑی خوش منظر جگہ ہے۔ شہر پرانا ہے اور آبادی گنجان ہے۔ بہت تپلے بازار ہیں۔ وہاں ایک البتہ بہت اچھی بات یہ ہے کہ شہر کے چوطرف ایک باغ لگا ہوا ہے اور اسمیں بہت اچھے اچھے میدان وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔ جنہیں تمام لوگ شہر کے آکر بیٹھتے اور ہوا خوری کرتے ہیں۔ اس باغ میں چوطرف شہر کے ایک نہر جاری ہے۔ پرانے شہر کے باہر ایک نیا شہر بھی بس گیا ہے۔ اوس کے بازاروں میں انارکلی جو بازار ہے سب سے اچھا ہے اور بڑے بڑے تجارتی کی وہاں پر دوکانات ہیں۔ وہاں مال روڈ سب سے عمدہ اور بہتر سڑک ہے جس کے دونوں طرف بڑی بڑی عمارتیں اور بڑی بڑی دوکانات کوٹھیوں کی شکل میں دور تک بنی ہوئی چلی گئیں ہیں۔ اسی سڑک پر ہائی کورٹ کی عمارت بھی ہے جو بہت اچھی قابل دیکھنے کے ہے۔ لارنس گارڈن بہت اچھا باغ ہے۔ ریلوے اسٹیشن بھی بہت بڑا جنکشن ہے یعنی بہت سی لائنیں ریلوے کی وہاں پر آکر ملی ہیں۔ اس کے علاوہ اور شہر بھی میں نے بہت سے دیکھے ہیں۔ مثلاً کوٹہ۔ بوندی بڑودہ۔ بھوپال۔ بھرتپور۔ الور اور کشن گڈھ وغیرہ وغیرہ ریاستیں و راجتین وغیرہ مقامات بھی میں نے دیکھے ہیں

میری پیدائش و شادی و دیگر حال

میری تاریخ پیدائش ۱۵ ؍ جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ ہجری ہے اور ۱۳۱۲ھ ہجری میں میری شادی میرے ماموں صاحبزادہ عبدالرؤف خاں صاحب بہادر کی دختر سرور جہاں بیگم سے ہوئی اور اس سے کئی اولاد ہوئیں جن میں سے خدا کے فضل و کرم سے اس وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہیں۔

لڑکے کا نام صاحبزادہ عبدالمصورخاں ہے اور لڑکی کا نام ارجمند بانو۔ دونوں خدا کے فضل و کرم سے صاحب اولاد ہیں۔ برخوردار عبدالمصورخاں کی بڑی لڑکی مظفرجہان بچپن سے میرے پاس ہتی ہے اور خدا کے فضل و کرم سے اوس سے مجھے بڑا اُنس ہے۔ خدا اسے ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آمین!
صاحبزادہ عبدالمصورخاں کے ایک لڑکا ابھی ہوا ہے جس کا نام محمد عمر ہے جو اس وقت صرف دو مہینہ کا ہے۔ خداوند کریم اِسے نیک نصیبہ اور عمر دراز کرے۔ آمین! دو لڑکیاں علاوہ مذکورہ بالا اولاد کے اور بھی ہیں اسطرح برخوردار عبدالمصورخاں کے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں برخورداری ارجمند بانو بھی صاحب اولاد ہے۔ اس کے دو لڑکے اور کئی لڑکیاں ہیں بڑے لڑکے کا نام فیاض علیخاں ہے ہے اور چھوٹے لڑکے کا نام اعجاز علی ہے۔ برخورداری کی شادی میری بڑی ہمشیر کے لڑکے امداد علیخاں کے ساتھ ہوئی ہے جو اسوقت بعہدہ نائب قلعداری مامور ہیں۔ برخوردار عبدالمصورخاں اور برخورداری ارجمند بانو کے علاوہ ایک دوسری عورت سے میرے تین لڑکیاں اور ہیں۔ میں جنوری ۱۹۱۲ء سے ریاست ہذا کے کاموں پر مقرر ہوا جس کا کچھ حال میں اوّل بیان کرچکا ہوں اور کچھ اب بیان کردینا چاہتا ہوں۔ میں ہز ہائینس امین الدولہ وزیرالملک نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ مرحوم مغفور کے ہمراہ جو میرے چچا تھے بہت سیر و سفر میں رہا ہوں۔ ۱۹۰۳ء میں جو بسلسلہ تاج پوشی شاہ ایڈورڈ ہفتم دہلی میں دربار ہوا تھا اور جس کو لارڈ کرزن نے کیا تھا۔ اوسیں میں بھی ہمرکاب حضور انور دام اقبالہٗ وہاں گیا تھا اور ۱۹۱۱ء میں جو دوسرا دربار پھر دہلی ہی میں تاج پوشی شاہ جارج پنجم کا ہوا تھا اور جسمیں شرکت کے لئے شہنشاہ معظم بہ نفس نفیس خود دہلی میں تشریف لائے تھے اوسمیں بھی ہز ہائینس نواب صاحب بہادر موصوف کے ہمراہ میں وہاں شریک ہوا تھا اور ۱۹۱۲ء میں جبکہ

لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند تھے نواب صاحب ممدوح الصدر کو خطاب جی۔ سی۔ آئی۔ ای کا تمغہ ملا تھا
اور اسوقت ہز ہائینس امین الدولہ وزیر الملک نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ دہلی
تشریف لے گئے تھے تو وہاں بھی میں اونکے ہمرکاب گیا تھا اور اسی طرح بمبئی کے سفر وغیرہ اور پرگنات
ریاست ہذا کے دورہ وغیرہ میں بھی اکثر میں نواب صاحب بہادر ممدوح کے ہمراہ رہا ہوں۔ خداوند تعالی
بخشے آپ مجھ پر بہت ہی زیادہ عنایت فرماتے تھے۔ اس لئے ریاست ہذا میں جو کمیشن بعض معاملات اہم
کے سلسلہ میں مقرر ہوئے اونمیں بھی میں نے کام کیا ہے اور سب سے زیادہ نازک خدمات ہماری ریاست ہذا
میں محلات کی ہوتی ہیں۔ حضور ممدوح بوجہ اس کے کہ وہ مجھ پر عنایت فرماتے تھے کئی سال تک مجھے
محلات کی خاص ڈیوٹی پر مقرر رکھا۔ بہت زمانہ تک تو جناب خلیل الزمانی بیگم صاحبہ کی اردلی وغیرہ میں
رہا اور بہت عرصہ جمیل الزمانی بیگم صاحبہ کی اردلی میں رہا اور ایسے ہی امین الزمانی بیگم صاحبہ و دیگر
محلات کی اردلی وغیرہ میں رہا۔ یہاں کے فرائض بڑے سخت ہوتے ہیں اور بڑی ہوشیاری سے کام کرنا
اور وہاں رہنا پڑتا ہے اس لئے کہ یہاں بڑی پارٹی بندی ہوتی ہے اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانیکے
لئے کوشاں رہتی ہیں۔ لیکن خدا کے فضل اور اوسکی امداد سے تمام ان ڈیوٹیوں (فرائض) کو ایک مدت
دراز تک بخیر و خوبی انجام دیا اور بفضلہ تعالی کسی قسم کی کوئی خلش واقع نہیں ہوئی اور سرکار مرحوم
ہمیشہ خوش رہے۔ سب سے آخر میں سرکار حال نواب سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ
نے مجھے ایک خاص کمیشن میں پریزیڈنٹ مقرر کیا تھا۔ جو قرضہ ریاست ہذا کی ادائیگی کے سلسلہ میں قائم
کیا گیا تھا وہ بھی خدا کے فضل و کرم سے بخوبی انجام پایا جس سے موجودہ حضور انور دام اقبالہ بہت خوش
ہوئے اور مجھے عنایت فرما کر پروانہ خوشنودی عطا فرمایا اور اسوقت وائس پریزیڈنٹ کونسل ریاست ہذا

بحر فریزر تھے اونھوں نے بھی اظہار خوشنودی کیا ۱۹۳۶ء میں یہاں خاص شہر ٹونک میں بائے ہیضہ نمودار ہوئی تھی اور اوس موقع پر حضور انور دام اقبالہٗ نے مخلوق کی بڑی خدمت کی تھی۔ چنانچہ اظہار شکر کے طور پر تمام گروہوں نے سرکار عالی میں سپاس نامہ جات پیش کئے تھے چنانچہ منجملہ اون کے سب سے اول جو سپاس نامہ پیش ہوا وہ بسر کردگی میرے اہل خاندان کی طرف سے ہوا تھا اور اوس کو میں نے ہی بموجودگی صاحبان اہل خاندان پڑھا بھی تھا مضمون سپاس نامہ حسب ذیل ہے

سپاس نامہ جو حضور انور کی خدمت میں پیش ہوا

بحضور فیض گنجور ہز ہائینس سعید الدولہ وزیر الملک نواب حافظ سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ جی۔ سی۔ آئی۔ ای دام اقبالہٗ و ملکہٗ والئی ریاست ٹونک

حضور انور دام اقبالہٗ۔ ہم ارکان خاندان امیریہ متعلقین و وابستگان امیریہ و وزیریہ بادب یہ سپاس نامہ پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں جس میں سچے خیالات عقیدت اور صحیح جذبات ارادت کا اظہار ہمارا مقصد ہے۔ حضور والا! آفات ارضی و سماوی بنی آدم کی زندگی میں وقتاً فوقتاً خوفناک اور مہلک شکل میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور گذشتہ ایک ماہ کے عرصہ میں وبائے ہیضہ ٹونک میں نمودار ہوئی اس پر جسقدر ہمدردی۔ غمخواری اور امداد حضور انور نے تمام رعایائے شہر پر مبذول فرمائی اس کے لئے تمام خاندان حضوری۔ حضور والا کا شکر گذار ہے۔ حضور انور نے کوچہ بکوچہ اور محلہ بمحلہ بنفس نفیس تشریف لیجا کر جو تسکین و تشفی اور جو امداد ادویہ و نقدی کی غریب رعایا کو دی۔ اس پر خاندان امیریہ جسقدر فخر کرے کم ہے۔ حضور والا نے اپنے نیک دل بزرگوں اور شاہانِ سلف کے زرین کارناموں کو روشن فرمایا ہے اور اس جلتی ہوئی آتش وبا میں رات دن پھر پھر کر اپنی صحت اور جان کی پرواہ تک نہیں فرمائی اور باوصف خطرات وبا اور طبی مشورہ

کے حضور نے اپنا مقدس فرض رعایا پروری اسطرح سے ادا فرمایا کہ تمام دُنیا حسن عش کر رہی ہے
اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ حضور کو جو ایسے غمخوار اور ہمدرد رعایا و غربا پرور ہیں ہمیشہ سلامت
باکرامت رکھے اور یہ ایک اسلام کا سچا مقولہ ہے کہ جو مخلوق کی امداد کرتا ہے خدا اوسکی خود امداد
فرماتا ہے جس کا یہ بین ثبوت ہے کہ آثارِ قحط جو ٹونک میں نمایاں ہوگئے تھے اللہ تعالیٰ نے بھی رحم
فرماکر ابرِ رحمت و نزول بارانِ رحمت سے تمام مخلوق کو فیضیاب فرمایا اور اس سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ حضور عالی نے جو تمام مخلوق کی امداد فرمائی اوس کو خداوند تعالیٰ نے قبول فرمایا۔
آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کو آفات و بلیات زمانہ سے محفوظ رکھے اور حضور کے زیر سایہ
اہلِ خاندان اور تمام رعایائے ریاست سرسبز و شادکام رہے۔ فقط۔

معروضہ ۲۹ رجمادی الاوّل ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۳۶ء یوم چہار شنبہ

ویسے تو پروانہ خوشنودی خدا کے فضل سے میرے پاس بہت ہیں مگر منجملہ اونکے صرف ایک دو پروانوں کو جو تحقیقات و
ادائگی قرضہ کے بابت مذکورہ بالا کمیشن وغیرہ کا کام انجام دینے کے سلسلہ میں اور تعلیم کے متعلق حضور سعید الدولہ
وزیر الملک جناب نواب سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ نے مجھے عطا فرمایا ہے حسب ذیل چھاپا جاتا ہے:۔

اجلاس خاص فیض اختصاص ہزہائینس سعید الدولہ وزیر الملک سر نواب حافظ مولوی
محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ جی۔سی۔آئی۔ای دام اقبالہٗ

واقع ۲۰ رشعبان المعظم ۱۳۵۱ ہجری ۱۹ ردسمبر ۱۹۳۲ء

برادر سجان برابر عزیز القدر سعادت نشان بدلعزیز وافر تمیز قمر الامرا مدبر الملک محمد عبدالتواب خان بہادر سالار جنگ طالعمرہٗ

بعد دعوات وافیات مطالعہ نمایند۔ جو کمیٹی جانچ قرضہ جات ریاست کی مقرر کی گئی تھی اوسمیں تمہیں اس کمیٹی کا صدر و ممبر مقرر کیا گیا تھا۔ تم نے اس صدارت اور ممبری کے کام کو بڑی خوبی اور احتیاط سے انجام دیا۔ جس کے بابتہ میجر فریزر صاحب بہادر ممبر فنانشل و وائس پریزیڈنٹ کونسل نے ذریعہ عرضداشت تمہارے اس کام کی تعریف کی ہے اور علاوہ ازیں ریاست کے ہر کام کو جن عہدوں پر تم رہے ہو اونکو تم نے نہایت دیانت داری پسندیدہ طور پر بہ خیرخواہی انجام دیا ہے اور ہمیشہ بہی خواہ ریاست رہے ہو جس پر مابدولت و اقبال نہایت اظہار خوشنودی فرماتے ہیں اور یہ پروانہ خوشنودی مزاج عطا فرمایا جاتا ہے کہ اسی طرح قابلیت و مستعدی و امانت داری سے جملہ کارہائے متبوضہ انجام دیکر مابدولت و اقبال کی مزید تحسین و خوشنودی کے مورد رہو۔

پروانہ از پیشگاہ ہز ہائینس سعید الدولہ وزیر الملک جناب نواب حافظ سر محمد سعادت علیخان صاحب بہادر صولت جنگ۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای

۱۹ صفر المظفر سنہ ۱۳۵۶ ہجری یکم مئی سنہ ۱۹۳۷ء

برادران سجا برابر عزیز القدر سعادت نشان بدل عزیز وا فر تمیز قمر الامرا مدبر الملک و معین المہام فدار ریاست خان بہادر محمد عبد التواب خانصاحب بہادر سالار جنگ طال عمرہٗ

بعد دعوات وافیات مطالعہ نمایند۔ بوجہ تمہاری حسن کارگذاری و پسندیدہ خدمات و خیرخواہی و وفاداری رئیس و ریاست کے مابدولت و اقبال نے نہایت خوشنودی و مسرت

فرماتے ہوئے تم کو درجہ سردار تعظیمی عطا فرمایا ہے اور یقین ہے کہ آں برادر عزیز اسی طرح سے خدا کے فضل سے آیندہ بھی خیر خواہ رئیس و ریاست رہیں گے اور خدمات متبوعنہ کو بہ محنت و یاد و وفاداری خیر خواہی انجام دیتے ہیں جیسا کہ آں عزیز کا ہمیشہ طرزِ عمل ہے بیشتر از بیشتر ساعی و کوشاں رہیں گے آں عزیز کے والد یعنی عمومی صاحب بہادر صفدر جنگ کا بھی یہی طرزِ عمل ہمیشہ رہا ہے جو ریاست میں ہمیشہ ایک یادگار اور مثال کے طور پر درخشاں رہے گا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں عزیز کا خاندان ہمیشہ بھی خواہ اور وفادار ہے۔ لہذا یہ پروانہ عطا فرمایا جاتا ہے۔

مجھے میرے چچا ہز ہائینس نواب محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ نے ۱۹۲۵ء میں بطور خوشنودی و عزت افزائی حسب ذیل خطاب عطا فرمایا:۔

"قمر الامرا۔ مدبر الملک۔ سالار جنگ"

اس کے بعد یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو گورنمنٹ آف انڈیا سے بعہد موجودہ سرکار عالی دام اقبالہٗ خانبہادری کا خطاب عطا ہوا جس کی سند و تمغہ مجھے آنریبل ایجنٹ گورنر جنرل بہادر راجپوتانہ مسٹر اوگلوی نے اپنے ہاتھ سے دیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ہجری میں موجودہ نواب سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر نے مجھے خطاب "معین الہام"۔ "وفادار ریاست" کا عنایت فرمایا۔ اور ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کے یہاں سے آیا ہوا پھر جارج پنجم کی سلور جوبلی کا تمغہ حضور انور دام اقبالہٗ نے عطا فرمایا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۳۷ء میں دربار تاجپوشی جارج ششم کا تمغہ عنایت فرمایا۔ یہ بھی گورنمنٹ کے یہاں ہی سے آیا تھا۔ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہے۔ خداوند تعالیٰ ہمیشہ اس کی شرم و عزت رکھے۔ آمین! ان سب باتوں کو میں اپنی

ذاتی لیاقت پر محمول نہیں کرتا ہوں بلکہ یہ خاص خداوند تعالیٰ کی مہربانی ہے اس لئے کہ مجھے خوب یاد ہے کہ جس زمانہ تک میں ریاست میں ملازم نہیں ہوا تھا اور بہت لوگ اچھی اچھی لیاقت والے ملازم ہوتے تھے مگر میرے لئے کسی نے سعی و سفارش نہیں کی۔ میں بالکل سچے واقعہ کے طور پر یہ بیان کر رہا ہوں کہ چونکہ والد صاحب مرحوم کی داد و دہش بہت زیادہ تھی اس لئے قرضہ وغیرہ بہت زیادہ تھا اس سبب سے جو کچھ ممکن ہو سکتا تھا شاہی خرچ وغیرہ کے لئے مجھے ملتا تھا۔ ایک دن میں نے خاص دل سے بالکل یکوئی کے ساتھ خداوند تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہاں پر دنیا میں میں کسی سے سفارش کی خواہش رکھتا ہوں اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہی ہے۔ اس لئے تو خاص اپنی ہی عنایت و مہربانی سے مجھ جیسے نالائق آدمی کی امداد فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا قبول فرمائی اور نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر نے مجھے خود بخود اپنا اے۔ ڈی۔ سی مقرر فرمالیا اور اوس کے بعد جرنیل فوج اور پھر ہوم ممبر مقرر کیا۔ جس سے مجھے خوشحالی نصیب ہوئی مختصر یہ کہ ان سب باتوں کی کرنے والی محض خداوند تعالیٰ کی ذات بابرکات تھی۔ جس نے میری امداد و عزت فرمائی۔ خداوند تعالیٰ ہمیشہ عزت و آبرو برقرار رکھے۔ آمین!

اس بات کا تذکرہ یہاں میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ اور لوگوں کو بھی رہنمائی ہو کہ وہ دنیا میں دغا، فریب و جعلسازی اور لیاقت کو ترقی کا میعار نہ سمجھیں بلکہ خداوند کریم کو سچائی سے پکڑیں تاکہ دین و دنیا کی ترقی کا باعث ہو اور دنیا کی جھوٹی و بیجا تدبیروں کو لچر سمجھیں اور اون پر کلی بھروسہ نہ کریں اور جب خداوند تعالیٰ اون کو کسی کام پر پہونچا دے تو اُس کا ضرور خیال رکھیں کہ کسی پر زیادتی نہ کریں اور ایذا نہ پہنچاویں اور ہمیشہ انصاف پر خیال رکھیں اور تکبر سے بہت زیادہ پرہیز کریں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے اختیار و قدرت میں ہے کہ ایک منٹ میں وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ جہانتک ممکن ہو سکے اپنی زبان

اور اپنی قلم سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچادیں اور کسی کے در پئے آزار نہیں ہوں۔ میرے نزدیک سب سے بُری چیز دنیا میں دل آزاری ہے۔

اس بات کا بھی مجھے بڑا فخر حاصل ہے کہ موجودہ ہز ہائینس نواب سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر کی سب سے اوّل اعلان نوابی کا میں نے ہی کیا ہے۔ جب سرکار مرحوم کا انتقال ہوا تو اوسوقت میجر بارٹن پولیٹیکل ایجنٹ یہاں ٹونک ہی میں تھے اور میں اوسوقت اون کے بنگلے پر اون سے ملنے گیا ہوا تھا صاحب موصوف نے سرکار مرحوم کے انتقال کی خبر سُن کر فرمایا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے محمد سعادت علیخاں صاحب کو نواب تسلیم کیا۔ چنانچہ میں نے وہاں سے سیدھا اندر باغ جاکر جہاں پر کہ حضور انور دام اقبالہٗ تشریف رکھتے تھے اس کا اعلان کیا اور یہ بھی خدا کے فضل وکرم سے بڑے فخر کی بات ہے کہ خدا کی امداد سے کبھی کسی رئیس یا ریاست کے خلاف کسی کارروائی میں ہم شریک نہیں ہوئے۔ نہ میں اور نہ میرے والد صاحب مرحوم اور ہمیشہ ریاست کے بہی خواہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ آیندہ بھی ہمیشہ ایسا ہی رکھے۔

میری اس مدت ملازمت میں چھ یوروپین ریاست ہذا میں بعہدہ وائس پریزیڈنٹ کونسل رہ چکے ہیں۔ ہالنس[۱] صاحب۔ میجر ویب[۲]۔ سر سیسل کے[۳]۔ میجر فریزر[۴]۔ میجر برنٹ[۵]۔ لفٹنٹ کرنل انڈرسن[۶] جو اسوقت موجود ہیں اور یہ افسران بفضلہٖ تعالیٰ میرے کام سے نہایت خوش رہے ہیں۔ یہ بھی اتفاقات زمانہ ہیں کہ میں نے اپنی عمر میں پانچ بادشاہ ہندوستان کا عہد دیکھا ہے۔ کوئن ملکہ وکٹوریہ۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم شاہ جارج پنجم۔ ایڈورڈ ہشتم اور جارج ششم موجودہ شہنشاہ ہند یعنی جو اسوقت بر سرِ حکومت ہیں۔

میرے والد صاحب کا حال

میرے والد بزرگوار نجم الامرا احتشام الملک صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ کی پیدائش ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ ہجری ہے۔ آپ اپنے جدِ امجد یعنی دادا نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں صاحب بہادر کے عہد میں پیدا ہوئے تھے جو اسوقت ریاست ہٰذا کے حکمراں تھے۔ آپ علوم ادبیہ سے واقف تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ تمام صوم و صلوٰۃ کے بہت پابند تھے۔ تمام شہر ٹونک میں آپ کے اخلاق و مروّت ہر خاص و عام کے ورد زبان ہے۔ تمام مخلوق کے ساتھ آپ بڑے محسن اور ہمدرد تھے۔ اور ساتھ ہی نہایت حلیم الطبع۔ خوش خلق اور بڑے فیاض بھی تھے۔ آپ کی فیاضی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اس کے سبب سے آپ اپنی ذات پر تکلیف اُٹھا لیتے تھے۔ لیکن اوروں کے کام میں ہمیشہ امداد فرمایا کرتے تھے۔ آپ ریاست کے یہاں چھوٹے بڑے اکثر عہدوں پر رہے مثلاً ناظم شرح شریف۔ جرنیل فوج ممبر جوڈیشل۔ ممبر فنانشل۔ ناظم فوجداری۔ نائب الریاست۔ ان سب عہدوں پر آپ مقرر رہے اور ہمیشہ سب عہدوں پر نیک نام رہے۔ آپ میں بڑی صفت ایک یہ تھی کہ آپ جس طرح بہی خواہ ریاست تھے ویسے ہی بہی خواہ رعایا کے بھی تھے۔ بفضلہ تعالیٰ کسی کو کبھی کسی قسم کی آپ سے شکایت نہیں ہوئی اور رعایا میں سب قومیں کیا ہندو کیا مسلمان آپ سے یکساں خوش رہیں۔ یہ خدا کا آپ کے حال پر بڑا فضل و کرم تھا۔ اللہ تعالیٰ عاقبت میں بھی ایسا ہی فضل و کرم رکھے۔ آمین! اون کی سادگی یہاں تک تھی کہ اونکے آدمی سوتے ہوتے تو خود کام کر لیتے لیکن اون کو نہیں اُٹھاتے اور

چاہے کوئی نوکر کتنے ہی دن یا مہینوں میں کوئی بُرا آئے مگر کبھی اوس کے ساتھ سختی نہیں کرتے تھے اور غیر حاضری وضع کراتے نہ جرمانہ کرتے تھے اور جس کسی سے باتیں فرماتے تھے بہت ہنس کر فرمایا کرتے تھے چاہے اون کا مخالف یا دشمن ہی کیوں نہ ہو بڑی نرمی سے گفتگو کرتے تھے۔ شروع ہی شروع ۱۳۰۷ھ ہجری میں جبکہ آپ کے بھائی امین الدولہ وزیرالملک حافظ نواب محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ حکمراں ریاست ہذا تھے۔ آپ ناظم شرع شریف مقرر ہوئے چنانچہ چھ سات سال تک ناظم رہے اور پھر جرنیل فوج ہوئے۔ تین سال تک آپ نے فوج کا بخوبی انتظام فرمایا۔ پھر بعد ملاحظہ حسن کارکردگی حضور انور دام اقبالہ نے ۱۹۰۰ء میں بعہدہ نائب الریاست ووائس پریزیڈنٹ کونسل آپ کو سرفراز فرمایا اور اس عہدہ پر جب تک یہ عہدہ قایم رہا بالاستقلال کام انجام دیتے رہے۔ بعدہٗ ۱۹۱۵ء میں ممبر جوڈیشل ہوئے اور کئی سال اس عہدے پر کام کرکے پھر ممبر فنانشل ہوگئے جو آخری تاریخ وصال ۱۶ رجب ۱۳۴۸ھ ہجری مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۲۹ء تک قایم رہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ حج بھی کیا ہے اور آپ کو ریاست کی خدمات کے صلہ میں بہت پروانہ خوشنودی عطا ہوئے ہیں منجملہ اون کے صرف دو پروانوں کی یہاں نقل کی جاتی ہے:۔

نقل پروانہ حضور انور دام اقبالہ امین الدولہ وزیرالملک جناب نواب حافظ محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای موسومہ صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب

برادر عزیزالقدر سعادت نشان بدلعزیز و افتخار صاحبزادہ محمد عبدالوہاب خاں ناظم محکمہ شرع شریف عزہ حفظ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون واضح باد۔ جس روز سے کہ حضور انور نے تم کو بکار نظامت محکمہ شریعت عزہ مامور فرمایا ہے۔ اوس روز سے تا ایندم حضور پُر نور نے تمہاری کارگذاری کو ملاحظہ فرمایا

مثلاً درستی اشتمال و ترتیب دفتر فیصلہ مقدمات و تعفیہ مقدمات وغیرہ سب کارروائی تمھاری قابل اطمینان اور پسند خاطر اقدس حضور پُرنور مابدولت واقبال ہے۔ تم نے بمقابلہ کار سرکاری کے اپنے ذاتی کاموں کی پروا نہیں کی اور خدمت سرکاری کو اس طرح انجام دیا کہ اپنے گھر کے ذاتی کاموں سے بھی بڑھکر تم نے خیال کیا۔ انتظام محکمہ شریعت میں بعض بعض نقص عائد حال تھے اور تمھاری پوری کوشش سے رفع ہوئے اور انصاف رسانی مستغیثان و دادخواہان متعلقہ شریعت میں تم نے کسی کی رعایت نہیں کی اور نہ برخلاف فیصلہ سابق مقدمات بھی بہت جلد جلد تم نے فیصل کئے اور مستغیثوں کو انتظار کی تکلیف نہ اُٹھانا پڑی۔ علاوہ ازیں دیگر کارہائے ریاست مثل انجارج نظامت پرگنہ ٹونک و نظامت فوجداری کا کام بھی تم نے وقت ماسوائے اپنی کے بحسن شایستگی انجام کو پہنچایا۔ یہ اُمور تمھاری کارگذاری کی شاہد حال ہیں اور یقین ہے کہ جو کارہائے ریاست تم سے لئے جاویں تم اون کو اچھی طرح سے انجام دے سکتے ہو۔ بنا برعلیہ طبع اقدس حضور مابدولت تم سے نہایت رضامند و خوشنود ہے اور یہ پروانہ خوشنودی مزاج کا عطا فرمایا جاتا ہے یقین ہے کہ جس طرح اپنا فرض شایستگی انجام دیتے ہو اور بھی زیادہ تر بحسن شایستگی انجام کو پہونچاؤگے۔ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۹۰ء مطابق ۲۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۰۸ ہجری

نقل پروانہ حضور پُرنور دام اقبالہٗ امین الدولہ وزیر الملک جناب نواب حافظ محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ والئی ریاست ٹونک موسومہ صاحبزادہ محمد عبدالوہاب خانصاحب برادر سجان

برابر عزیز القدر سعادت نشان بدلعزیز دافر تمیز نجم الامرا احتشام الملک صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ ناظم شرع شریف طالعمرہٗ

بعد دعوات وافیات مطالعہ نمایند۔ تم نے روز تقرری سے بعہدہ نظامت بعدالت شرع شریف کار متعلقہ کو

نہایت مستعدی ہوشیاری سے نظر باحقاق حق انجام دیکر اپنی کارروائی مستدلانہ وانصافانہ سے ہمیشہ طبیعت فیض طویت حضور با بدولت کو خوش و رضامند رکھا لہذا بدادید کارکردگی وہوشیاری بجائے اشرف الامرا عمدۃ الملک صاحبزادہ احمد یار خاں صاحب بہادر فتح جنگ ممبر صیغہ فوج بعہدہ جرنیلی وممبر فوج تم کو مامور ومقرر فرمایا گیا۔ چاہیے کہ احمد یار خانصاحب بہادر فتح جنگ سے چارج ممبری فوج وجرنیلی حسب سررشتہ لیکر کار سرکار متعلقہ اپنے کو بہ مستعدی وہوشیاری انجام دیتے رہو اور تعداد مشاہرہ خدمت متعینہ سے عقب میں اطلاع دیجاویگی۔ المرقوم یکم جمادی الاول ۱۳۱۶ھ ہجری مطابق ۱۹ ستمبر ۱۸۹۸ء

بموجب حکم حضور انور دام اقبالہٗ بقلم فیض احمد الہد دفتر انشار حضوری۔ دربار ٹونک

میرے لڑکے کا حال

میرے لڑکے عبد المنصور خاں کی پیدائش ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ ہجری کی ہے۔ خداوند تعالیٰ اسکو زندہ سلامت رکھے اور خوش وخرم رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ اوس سے راضی رہے۔ آمین۔ خدا کے فضل سے یہ بہت لائق اور سعید ہے اور خدا کے فضل سے یہ ایسے بُرے افعال اور لہو ولعب اور بُری باتوں سے بچا ہوا ہے۔ خداوند کریم آیندہ بھی بچائے میرے ماموں صاحبزادہ عبد الرؤف خانصاحب کے لڑکا نہیں تھا اور برخوردار عبد المنصور خاں چونکہ اونکا نواسہ تھا اس لئے اونھوں نے بچپن سے اسے اپنے پاس رکھا اور انھوں نے ہی تعلیم وتربیت دی۔ چونکہ ماموں صاحب کو شکار کا بہت شوق تھا اس لئے اس کو بھی شکار کا زیادہ شوق ہے۔ بندوق بہت اچھی لگاتا ہے اور بڑے چھوٹے سب قسم کے جانوران کا اکثر شکار کیا ہے۔ جیسے۔ تیتر۔ مرغابی۔ قاذ۔ بٹیر وغیرہ: ہرن چیتل نیل سامر تیندوئے۔ شیر وغیرہ ان سب جانوران پرند چرند کا بہت شکار کیا ہے اور دو تین بڑے شیر بھی

صاحبزادہ عبدالمنصور خاں صاحب خلف جناب خان بہادر صاحبزادہ عبدالتواب
خاں صاحب بہادر سالار جنگ ہوم ممبر کونسل ریاست ٹونک

اسوقت تک مالیے ہیں۔ خدا کے فضل سے اُس کا دماغ اچھا ہے۔ اُسکا دماغی رجحان صنعت و حرفت کی طرف سے۔ انجن۔ گھڑی جس میں کل پرزہ ہوں اور دیگر کلیں وغیرہ ایسے کاموں میں اسکی طبیعت بہت رساہے اور جیسے آجکل کے زمانہ میں ایک آزادی اور آوارگی سی ہوتی ہے یعنی نہ بڑوں کا بڑاپن اور نہ چھوٹوں کا چھوٹاپن۔ کسی بات کا اون میں تمیز نہیں ہوتا۔ خدا کے فضل سے ایسی باتیں اسمیں نہیں ہیں اور بہت ادب آداب اُس کے مزاج میں ہے۔ بڑوں کی تعظیم۔ چھوٹوں کی تکریم۔ نشست و برخاست میں ادب قاعدہ ملحوظ رکھتا ہے۔ آئندہ بھی خداوند تعالیٰ اس کو ایسا ہی رکھے۔ آمین۔ یہاں ٹونک میں جو بہت عمدہ شکاری ہیں اونھیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اسکی شادی مئی ۱۹۱۹ء میں نواب سر ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ کی نواسی اور موجودہ ہزہائینس نواب سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر کی بھانجی عتیق الزمانی سے ہوئی ہے جو صاحبزادہ حسام الدین خانصاحب کی لڑکی ہے۔

میرے بڑے بھائی کا حال

صاحبزادہ عبدالوحید خاں جو میرے بڑے بھائی ہیں اُنکی پیدایش رجب ۱۲۹۴ ہجری کی ہے۔ نہایت نیک سلیقہ ہیں۔ نماز روزہ کے بہت پابند ہیں اور بڑے نیک ہیں۔ طبیعت میں یکسوئی ہے اور یہ اسقدر عبادت گذار اور نیک ہیں کہ ہمارے کل گھرانے میں انھیں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برکت اور عزت ہے۔ ویسے تو ہم چند بہن بھائی تھے مگر والد صاحب کے انتقال کے وقت اونکی اولاد میں دو بھائی اور تین بہنیں تھیں جو اسوقت تک خدا کے فضل سے سب موجود ہیں ایک تو بڑے بھائی اور ایک میں اور ایک بڑی بہن اکرم النساء بیگم اور دو چھوٹی ایک حشمت النساء بیگم اور ایک زاہدہ بیگم۔ زاہدہ بیگم، میرے والد صاحب نے دوسری شادی کی تھی اوس سے ہیں۔

میرے ماموں کا مختصر حال

میرے ماموں صاحبزادہ عبدالرؤف خانصاحب نواب امیر خانصاحب بہادر شمشیر جنگ کے پوتے ہوتے ہیں یعنی صاحبزادہ احمد یار خانصاحب کے بیٹے۔ یہ یہاں کے سرداروں میں بڑے اچھے سردار تھے اور مرنجان مرنج تھے۔ بڑے پکے مسلمان اور نماز روزہ کے بڑے پابند تھے البتہ شکار کے بہت شوقین تھے۔ اکثر جنگل میں بہ ایں شکار کرتے تھے لیکن افسوس صد افسوس! کہ ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء کو اونکا انتقال ہوگیا۔ ہمارے سب بزرگوں میں سے آخر میں یہی رہ گئے تھے جو بڑے ہی خیر خواہ اور دعا گو تھے اللہ تعالیٰ اونکی بخشش کرے اور غائبانہ بھی مہربانی رکھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور اونکا تخلص "وافی" تھا۔ اونکا کہا ہوا دیوان مکمل ہوگیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ چھپا نہیں۔

چند واقعات قابل ذکر

یوں تو صدہا واقعات دنیا میں ایسے رونما ہوتے ہی رہتے ہیں اور بہت سے اپنی گذشتہ زندگی میں میں نے بھی دیکھے اور سنے ہیں لیکن اونمیں دو ایک واقعات ایسے اہم اور زبردست ہیں کہ جو بطور یادگار زمانہ یہاں قابل ذکر ہیں ایک تو انمیں یورپ کی جنگ عظیم ہے۔ یورپ کی تواریخ میں اسقدر بڑی جنگ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ جنگ جولائی ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی۔ ایک جانب تو اسمیں جرمنی۔ آسٹریا۔ ترکی۔ بلگیریا وغیرہ ممالک تھے اور دوسری جانب انگلینڈ۔ روس۔ فرانس۔ بلجیم۔ امریکہ اور دیگر چھوٹے چھوٹے ممالک تھے۔ یہ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے شروع ہوکر ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں بڑا کشت وخون ہوا۔ لاکھوں آدمی مارے گئے اور علاوہ اسکے کروروں روپیہ کا مالی نقصان بھی ہوا۔ ہندوستان نے بھی اس جنگ کے موقع پر شہنشاہ معظم

کی ہر قسم کی امداد کی۔ دولتمندان نے روپیہ دے کر اور والیانِ ریاست نے فوجیں اور علاوہ روپیہ کے دیگر سامانِ جنگ مہیا کر کے۔ ہندوستان سے بہت فوج بھرتی ہو کر گئی تھی۔ اس لڑائی کے بُرے اثر سے یورپ تو در کنار ہندوستان کا کوئی شہر نہیں بچا ہوگا۔ ان تمام سلطنتوں نے ایسے نئے نئے آلات جنگ و حربات جنگ استعمال کئے جو عقل انسان سے بعید معلوم ہوتے تھے۔ یہ ایسی جنگ عظیم تھی کہ لاکھوں آدمی قتل ہو گئے اور بیسوں شہر ویران ہو گئے۔ اس کے مقابلہ میں مہابھارت کی لڑائی جو دنیا میں مشہور ہے وہ بھی کچھ نہیں تھی۔ اس لئے کہ وہ ایک ہی جگہ ہوئی یعنی صرف ہندوستان میں اور تھوڑے عرصہ میں ختم ہو گئی اور یہ سینکڑوں جگہ ہوئی اور برسوں رہی اور ساری قومیں اس میں مبتلا رہیں۔ اسمیں ایسی ایسی توپیں ایجاد کی گئی تھیں کہ جنمیں سے بعض بعض توپوں کے گولے کئی کئی من کے تھے اور بعض بعض کے ایسے کہ آٹھ آٹھ دس دس میل تک جاتے تھے اور آلات حرب اس طرح استعمال کئے جاتے تھے کہ فوجیں تک آپس میں دکھائی نہیں دیتی تھیں اور بندوقوں توپوں سے لوگ مرجاتے تھے اور زہریلے گیس کو پھیلایا جاتا تھا جس کے ذریعہ بھی ہزاروں آدمی مرجاتے تھے۔ ہوائی جہاز سے اس طرح بم باری کی جاتی تھی کہ شہر کے شہر برباد کر دئیے جاتے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بہت سا ملک تو آسٹریا کا اور بہت سا روس و ترکی و جرمنی کا بھی نکل گیا اور جرمنی کو بہت سا تاوانِ جنگ دینا پڑا۔ ایسے آلات جنگ ایجاد کئے تھے کہ قلعہ وغیرہ کچھ کام نہیں آسکے۔ بلجیم کا قلعہ "انٹی ورپا" جو دنیا میں مضبوط مشہور تھا۔ چند گھنٹوں میں مسمار کر دیا گیا۔ یہ لڑائی سائنس کی لڑائی تھی۔

دوسرا واقعہ کوئٹہ کے زلزلہ کا ہے۔ یہ زلزلہ ۱۹۳۵ء میں آیا تھا۔ جس سے تمام شہر کوئٹہ جو سرحدی مقام تھا۔ غارت و تباہ ہو گیا۔ یہ بہت بڑا شہر تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں آبادی تھی

اتنا بڑا شہر جسمیں ہزاروں مکانات۔ لاکھوں آدمی۔ سڑکیں۔ ریلیں وغیرہ جو آبادی کے ساتھ ہوا کرتی ہیں وہ سب مغرب کو موجود تھیں۔ لیکن صبح دیکھا تو تمام شہر کا شہر ہی ندارد تھا اور اوس جگہ گڑھے اور کھنڈر پڑے ہوئے تھے اور شہر کا پتہ ہی نہیں تھا۔ تمام تباہ ہوگیا اور حالانکہ اس واقعہ کو دوسال کا عرصہ ہوگیا ہے لیکن اب بھی آدمیوں کے ڈھانچے نکلتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ واقعہ بڑی ہی عبرت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔ جہاں پر خداوند کریم کی نافرمانی زیادہ ہوتی ہے وہاں ہی ایسے عذابات نازل ہوتے ہیں کہ ایک پورا شہر کا شہر ایک دم میں فنا ہوگیا۔

چند معاملات میں میری ذاتی رائے

تمام شہروں میں آجکل یہ رواج ہے کہ سینما اور تھیٹر وغیرہ بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔ آجکل اسکے یہ معنی لئے جاتے ہیں کہ تفریح طبع مگر میرے خیال میں جب سے سینما تھیٹر وغیرہ ہندوستان میں شروع ہوئے ہیں۔ یہاں کی عام اخلاقی حالت بہت کمزور ہوگئی ہے اور ہندوستانیوں کے لئے اس سے بُرے نتائج نکلے ہیں۔ عام طبیعتوں نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ نہایت قابلِ افسوس ہے اس سے ایک تو تمام ہندوستانی جرائم زیادہ ہوگئے ہیں۔ اس لئے کہ سینما میں طرح طرح کے چوروں اور ڈکیتوں کے کھیل اور کرشمات دکھائے جاتے ہیں اور چوری کے و دیگر جرائم کے نئے نئے طریقے

و ترکیبیں اور ڈکیتی کے نئے نئے طریقے بڑی خوبصورتی سے کھیلوں میں بتلائے جاتے ہیں۔ جس سے
کمزور دماغوں کے آدمیوں کو کھیل وغیرہ دیکھہ دیکھہ کر ویسے ہی کام کرنے کی تحریک اور تحریص ہوتی ہے
اور اس سے نتائج برے نکلتے ہیں۔ دوسرے عام طور پر عشق و محبت اور آوارگی طبیعتوں میں
بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ جو لوگ ان باتوں کو جانتے بھی نہ تھے وہ ان کھیلوں کو دیکھکر جاننے لگے
ہیں اور خاصکر عورتوں پر تو بہت ہی برا اثر ہوا ہے۔ حالانکہ یورپ وغیرہ اور تہذیب یافتہ قوموں
میں بھی ایسے کھیل تماشہ بہت ہوتے ہیں مگر ہمارے ہندوستان میں جو اس کا برا اثر پڑا اوسکی وجہ
میرے نزدیک یہ ہے کہ تہذیب یافتہ ممالک میں اسی فیصدی۔ نوے فیصدی اور پچھتر فیصدی
تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ جو ایسے کھیلوں کو اچھے اور برے پہلو پر غور سے نگاہ ڈالتے ہیں اور ہمارے
یہاں ہندوستان میں دس فیصدی اور پانچ فیصدی بھی تعلیم یافتہ اچھی طرح نہیں ہیں اس لئے
اون کی کم علمی کی وجہ سے برا نتیجہ نکلا ہے۔ اس لئے کہ اونھوں نے جو ظاہری باتیں تھیں اونپر
تو اثر لیا اور جو باطنی باتیں تھیں اون پر نظر نہیں پہونچی اور ایک سینما میں یہ بڑا نقص ہوا کہ
لوگ مذہبی فلم تیار کر کے اس کے ذریعہ قومی منافرت بڑہاتے ہیں جو بہت خطرناک بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ

ہمارے یہاں جو آجکل عام تعلیم ہے وہ بہت اچھے پیمانہ پر ہے اور ضروریات زمانہ کے لایق
ہے حالانکہ مغربی ممالک میں اس سے بھی بہتر تعلیم کا چرچا اور اثر ہے مگر میرے خیال میں جو یہاں
تعلیم دیجاتی ہے اوسمیں ایک بات کا لحاظ بالکل نہیں ہے یعنی ہمارے یہاں جس کو تربیت کہتے ہیں

وہ یہاں پر تعلیم کے ساتھ ہرگز نہیں دیجاتی اس لئے کہ تربیت کا معیار کسی یونیورسٹی میں بھی نہیں ہے جو ہر انسان اور سلطنت کے لئے لازمی ہے۔ تربیت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو ادب آداب اور قاعدہ سکھاتی ہے۔ بڑوں کا بڑا پن۔ چھوٹوں کا چھوٹا پن۔ اُٹھنے۔ بیٹھنے۔ بات کرنے اور گفتگو کرنے ان سب کا تمیز اوسیں ہوتا ہے یعنی بڑوں کے ساتھ کس برتاؤ سے پیش آنا چاہئے اور اونکے حکم کی کس طرح تعمیل کرنا چاہئے اور اونکے ساتھ کن کن ادب آداب کو مدنظر رکھنا چاہئے اور ہر حاکم کے حکم کی کیا وقعت کرنا چاہئے اور بادشاہ وقت کی کیا فرمانبرداری کرنا چاہئے اور اپنے گھر والوں اور باہر والوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے۔ یہ اُمور بلا تربیت کے صرف تعلیم سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ دشمن کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور دوست کے ساتھ کیا اخلاص برتنا چاہئے۔ یہ سب باتیں تربیت سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہندوستان کے پہلے زمانہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔

والدین کی خدمت واطاعت

میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ ہر آدمی کو والدین کی سچی خدمت کرنا اور دل وجان سے اطاعت کرنا ضروری ہے۔ اس سے دین اور دنیا دونوں جگہ فائدہ ہوتا ہے جیسی کہ ہمارے مذہب میں بھی تاکید ہے اور دنیوی تہذیب میں بھی ضرورت ہے۔ مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ میرے والدین مجھ سے خوش تھے اور ہمیشہ خوش رہے۔ اونھیں کی خوشی کا یہ نتیجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھکو آرام اور عزت دے رکھی ہے۔ ہر اولاد کو جس کے والدین اوس سے راضی ہوں اوسکو ضرور دنیا میں فائدہ حاصل ہوتا ہے

اور عاقبت میں بھی۔ یہ میں نے کئی جگہ دیکھا ہے کہ جس کے والدین ناراض ہوں اوس کو باوجود علمی لیاقت کے بھی آرام وخوشی نصیب نہیں ہوتی۔ میں نے اپنے والد کے کل آدمیوں کو جو اون کے خاص وفادار اور معزز تھے۔ اپنے پاس اوسی حیثیت سے رکھا ہے۔ جیسے مولوی حسن علی خاں خنصا کارکن۔ عبداللہ داروغہ۔ بھورا خاں تعلقہ دار عبدالرحیم۔ علی محمد۔ کلو تعلقہ دار۔ محمد خاں۔ لچھمنا۔ اسی طرح اور دیگر ملازمین اور جو کچھ کام والد صاحب کے وقت میں کرتے تھے وہی کام اب بھی اون سے لیا جا رہا ہے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ جو والدین کے وقت کے کارکردہ آدمی ہوتے ہیں وہ چونکہ اوس کام میں برسوں رہے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ کام اون کے ہاتھ سے نکلا ہوا ہوتا ہے اس لئے اگر اون کے مقابلے میں نیا آدمی مقرر کیا جاوے تو برسوں کے بعد اوسکو اتنا تجربہ حاصل ہو سکتا ہے اور جب تک اوسے تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ اوسوقت تک کاموں میں نقصان پڑتے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ میرے یہاں تمام آدمی جو والد صاحب مرحوم کے وقت کے ہیں بہت ہی خیر خواہ اور وفادار ہیں اور اون کے کام کرنے سے مجھے بڑی امداد ہے۔ میرے ذاتی ملازمین میں صرف ایک عبدالرؤف عرف بنا ہے جو قریب بتیس ۳۲ سال سے میرا ذاتی ملازم ہے اور یہی صرف ایک آدمی ذاتی میرے پاس ہے اور بہت ہی خیر خواہ وفادار ہے۔ باقی اور سب ملازمین میرے والد صاحب مرحوم ہی کے زمانہ کے ہیں۔

ہماری ریاست کا اعزاز

ہماری ریاست کے رئیس کے سلامی کے ستر۱۷ہ فیر توپ کے گورنمنٹ ہند کی طرف سے ہیں۔ گورنمنٹ ہند کے کسی علاقہ میں اگر کہیں باضابطہ تشریف لیجاویں تو ستر۱۷ہ فیر توپ سلامی کے وہاں پر سر ہونگے

اور وائسرائے سے سرکار عالی یعنی رئیس ریاست ہذا کی جہاں کہیں باضابطہ ملاقات ہوگی تو وائسرائے خود بھی بازدید کی ملاقات کرینگے - ہمارے رئیس کو جزوی اور کلی یعنی کل اختیارات حاصل ہیں - پھانسی دینے تک کے بھی ریاست کو اختیارات حاصل ہیں - ہماری ریاست کا خود سکہ الگ رائج ہے جسکو نواب شاہی بھی کہتے ہیں

ہماری ریاست کی آمدنی

ہماری ریاست ٹونک کی آمدنی اسوقت چوبیس لاکھ کے قریب ہے علاوہ جاگیرات اور معافیات و استمرار وغیرہ کے یہ قریب چوبیس لاکھ کی آمدنی صرف ریاست کی ہے اور انشاء اللہ آیندہ اسمیں زیادتی ہونیکی اُمید ہے -

شجرہ رئیسان ٹونک اور انکی اولاد

مورثِ اعلیٰ بانیٔ ریاست ٹونک نواب امیر خاں صاحب بہادر شمشیر جنگ کی اولاد حسب ذیل ہے :-

نواب وزیر الدولہ وزیر محمد[1] خانصاحب بہادر نصرت جنگ - صاحبزادہ عبدالکریم[2] خانصاحب بہادر - صاحبزادہ عباد اللہ[3] خانصاحب بہادر - صاحبزادہ احمدیار[4] خانصاحب بہادر - صاحبزادہ جمال[5] خانصاحب بہادر - صاحبزادہ اکرم[6] خاں صاحب بہادر - صاحبزادہ بخت بلند[7] خاں صاحب بہادر - صاحبزادہ منیر[8] خانصاحب بہادر صاحبزادہ احمد علیخاں[9] صاحب بہادر - صاحبزادہ جلال[10] خانصاحب بہادر - انکی یعنی امیر خانصاحب بہادر شمشیر جنگ کی اولاد میں سے نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خانصاحب بہادر نصرت جنگ نواب ہوئے اور انکی اولاد حسب ذیل ہے -

نواب محمد علیخاں[1] صاحب بہادر صولت جنگ - صاحبزادہ نصیر محمد[2] خانصاحب بہادر - صاحبزادہ فیض محمد[3] خانصاحب بہادر

[1] بھتیجے محمد وزیر خان ہے

صاحبزادہ عبیداللہ خاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبدالرحمٰن خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبداللہ خانصاحب
صاحبزادہ نذیر محمد خانصاحب بہادر۔ انہیں سے پسر نواب محمد علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ نواب ہوئے انکی اولاد حسب ذیل ہے :-
نواب محمد ابراہیم علیخانصاحب بہادر صولت جنگ۔ صاحبزادہ محمد اسحاق خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں
صاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبدالحمید خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبدالصمد
خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ محمد صدیق خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ صفی اللہ خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ
محمد رفیق خانصاحب بہادر۔ انکے یعنی نواب محمد علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ کی اولاد میں سے نواب ابراہیم علیخاں
صاحب بہادر صولت جنگ نواب ریاست ہوئے اور انکی اولاد حسب ذیل ہے :-

نواب محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ۔ صاحبزادہ عبدالحفیظ خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبدالرشید
خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ عبدالواحد خاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ مسعود علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ
عبداللہ خانصاحب بہادر۔ صاحبزادہ فاروق علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ افتخار علیخاں صاحب بہادر
صاحبزادہ معصوم علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ یعقوب علیخاں بہادر۔ صاحبزادہ عثمان علیخاں صاحب بہادر
صاحبزادہ تراب علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ اسمٰعیل علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ زبیر علیخاں صاحب بہادر
انکے یعنی نواب ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ کی اولاد میں نواب محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر
صولت جنگ نواب ہوئے اور انکی اولاد حسب ذیل ہے :-

صاحبزادہ صادق علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ منظر علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ محمد علیخاں
صاحب بہادر۔ صاحبزادہ مبارک علیخاں صاحب بہادر۔ صاحبزادہ صابر علیخاں صاحب بہادر۔

پس انھیں پانچ رئیسوں کی اولاد اور اونکی اولاد کی اولادیں یعنی اونکی نسل خاندانی کہلاتی ہے اور ان
خاندان والوں کو صاحبزادہ کے لقب سے لکھا جایا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض بعض اور دوسروں کو بھی
صاحبزادہ لکھا جاتا ہے۔ لیکن وہ خاندانی طور پر نہیں بلکہ اعزازی طور پر ہوتا ہے اور ان پانچوں رئیسوں کی جو
اولادوں کی نسل ہے وہ خاندانی ہے۔

حق خاندانی

حق خاندانی کا یہاں یہ طریقہ ہے کہ رئیس کی اولادوں سے بڑا لڑکا تو رئیس ہو جاتا ہے اور باقی اور
جو اولادیں ہوتی ہیں اوس کے لئے ریاست سے حسب اعزاز اونکے ماہانہ مقرر ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کو چار سو
روپیہ ماہوار۔ کسی کو پانسو روپیہ ماہوار۔ کسی کو چھ سو روپیہ ماہوار۔ کسی کو سات سو روپیہ ماہوار جو جس کے
لئے تجویز کیا جاتا ہے مقرر ہوتا ہے۔ اوس کی دو شکلیں ہیں۔ بعض کو تو ماہواری بشکل نقد ملتی ہے اور
بعض کو بالعوض نقد کے اسی قدر آمدنی کی جاگیر ملجاتی ہے۔ اب جو تنخواہ نقد ملے وہ اور جو بشکل جاگیر
ملے وہ ہی اوس کا حق خاندانی ہے۔ جو انپر اور اونکی اولاد وغیرہ پر برقرار اور بحال رہتا ہے۔ اسکو
حق خاندانی کہتے ہیں۔

عہدہ داران ریاست جو اس وقت ریاست ہذا میں حسب ذیل عہدوں پر مقرر ہیں

نام	عہدہ
۱۔ کرنل اینڈرسن صاحب	ممبر فنانشل و واکس پریذیڈنٹ کونسل عالیہ
۲۔ خان بہادر صاحبزادہ عبدالتواب خان صاحب سالار جنگ	ممبر ہوم کونسل عالیہ
۳۔ خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب	ممبر جوڈیشل کونسل عالیہ
۴۔ محمد غلام بہاؤالدین صاحب	ممبر مال کونسل عالیہ
۵۔ بابو مولا بخش صاحب	ممبر ڈیولپمنٹ یعنی ممبر محکمہ ترقیات کونسل عالیہ
۶۔ مخدوم شیر شاہ صاحب	سشن جج
۷۔ حکیم سید ظہیرالدین صاحب	ناظم شرع شریف
۸۔ صاحبزادہ عبدالصبور خان صاحب	چیف مجسٹریٹ
۹۔ مسٹر ناکس	انسپکٹر جنرل پولیس
۱۰۔ شیخ عبدالرحیم صاحب	جرنیل فوج
۱۱۔ رائے صاحب بابو چاند مل جی	پرائیوٹ سیکرٹری دربار عالی دام اقبالہٗ

ع۱ یہ ممبری حال ہی میں قائم کی گئی ہے

عہدہ	نام
دربار سیکرٹری	۱۲۔ خان صاحب مرزا حامد علی خاں صاحب
مہتمم توشا خانہ	۱۳۔ مرزا محمد بیگ صاحب
ہاؤس ہولڈ کنٹرولر یعنی مہتمم خاص	۱۴۔ محمد یوسف صاحب
ایڈی۔ سی دربار	۱۵۔ صاحبزادہ محمد امیر خاں صاحب
ایڈی۔ سی۔ دربار	۱۶۔ صاحبزادہ ہدایت اللہ خاں صاحب
ایڈی۔ سی۔ دربار	۱۷۔ صاحبزادہ نصیر الدین خاں صاحب
ایڈی۔ سی۔ دربار	۱۸۔ صاحبزادہ عبد الباعث خاں صاحب
ایڈی۔ سی۔ دربار	۱۹۔ صاحبزادہ بشیر الدین خاں صاحب
افسر شکار خانہ و ایڈی۔ سی۔ دربار	۲۰۔ صاحبزادہ الیاس خاں صاحب
سیکرٹری کونسل	۲۱۔ حامد حسین صاحب
سپرنٹنڈنٹ کونسل	۲۲۔ منشی نصیر محمد خاں صاحب
اسسٹنٹ ممبری ہوم	۲۳۔ صاحبزادہ اکتفا اللہ خاں صاحب
پرسنل اسسٹنٹ ممبر صاحب بہادر فنانشل	۲۴۔ شاہ محمد خاں صاحب
اسسٹنٹ ممبری فنانشل	۲۵۔ شمس الدین صاحب
بخشی و اسسٹنٹ جانچ صیغہ فنانشل	۲۶۔ بابو سری موہن جی

نام	عہدہ
۲۷۔ صاحبزادہ امانت اللہ خاں صاحب	اسسٹنٹ ممبری جوڈیشل
۲۸۔ مرزا مصطفیٰ بیگ	اسسٹنٹ ممبری مال
۲۹۔ ملک مجید صاحب	ناظم دیوانی صدر (ٹونک)
۳۰۔ صاحبزادہ عبدالمجیب خاں صاحب	مجسٹریٹ درجہ دوم
۳۱۔ وحیداللہ خاں صاحب	اسسٹنٹ انجینیر
۳۲۔ اندر سنگھ صاحب	افسر جنگلات
۳۳۔ دوسہ بھائی مارفتیہ	ناظم سائرات
۳۴۔ بدرالحسن صاحب	ناظم پرگنہ ٹونک
۳۵۔ صاحبزادہ خلیل الرحمٰن صاحب	ناظم پرگنہ سرونج
۳۶۔ مسٹر عبدالسمیع	ناظم پرگنہ نمباہیڑہ
۳۷۔ صاحبزادہ توفیق خاں صاحب	ناظم پرگنہ چھبڑہ
۳۸۔ خواجہ حسن صاحب	ناظم پرگنہ علی گڈھ
۳۹۔ صاحبزادہ عبدالباسط خاں صاحب	ناظم پرگنہ پڑاوہ
۴۰۔ مسٹر ڈیوڈ	الیکٹریکل یعنی بجلی کے انجینیر
۴۱۔ منصور صاحب	چیف میڈیکل آفیسر

نام	عہدہ
۴۳۔ ڈیلسائی صاحب	ڈاکٹر شفاخانہ سرکاری
۴۴۔ ڈی۔ سوزا	لیڈی ڈاکٹر
۴۵۔ مولوی حکیم سید امیر حسن صاحب	طبیب خاص
۴۶۔ حکیم ظہیر احمد صاحب برکاتی۔	طبیب حضوری
۴۷۔ حکیم یحییٰ میاں	طبیب شہر و خاندان
۴۸۔ مسٹر فلپ	ہیڈ ماسٹر دربار ہائی اسکول ٹونک
۴۹۔ صاحبزادہ امیر احمد خاں صاحب	اکاؤنٹنٹ ممبری ہوم
۵۰۔ بابو منوہر لال جی	اہلکار انگریزی ممبری ہوم
۵۱۔ منشی فخرالدین احمد	اہلکار انگریزی ممبری ہوم
۵۲۔ لالہ شیام نرائن جی	سیکرٹری کورٹ آف وارڈس

رئیسان ٹونک کی مدّتِ حکومت

نام حکمراں	مدت حکومت
امیر الدولہ امیر الملک نواب امیر خاں صاحب بہادر شمشیر جنگ	سولہ ۱۶ سال چند ماہ
وزیر الدولہ وزیر الملک نواب وزیر محمد خاں صاحب بہادر نصرت جنگ	تینتس ۳۳ سال چند ماہ
یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ	چار ۴ سال
امین الدولہ وزیر الملک نواب سر محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ	تریسٹھ ۶۳ سال
سعید الدولہ وزیر الملک سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ	آٹھواں سال ہے

خداوند تعالے آپ کو یعنی ہز ہائنس موجودہ سر محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ کو مدت دراز تک اسی طرح حکمراں باعزّ و وقار رکھے - آمین !

عرض خاکسار صاحبزادہ عبد التواب
۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ
مطابق ۲۹ اگست ۱۹۳۷ء

نسب مصنف

قمر الامراء مدبر الملک معین المہام وفادار ریاست خان بہادر صاحبزادہ عبدالتواب خاں سالار جنگ

ابن

نجم الامرا احتشام الملک صاحبزادہ عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ

ابن

یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ والئی ریاست ٹونک

ابن

وزیر الدولہ وزیر الملک نواب وزیر محمد خاں[۱] صاحب بہادر نصرت جنگ والئی ریاست ٹونک

ابن

امیر الدولہ نواب امیر خاں صاحب بہادر شمشیر جنگ والئی ریاست و بانئی ریاست ٹونک

تتمہ

ہم کل بہن بھائی نو تھے۔ چھ تو میری خاص والدہ سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں اور میری والدہ کے انتقال کے بعد میرے والد صاحب مرحوم نے جب دوسری شادی سعیدہ بیگم سے کی تھی اُن سے ایک لڑکا اور

[۱] صحیح محمد وزیر خاں الخ سہو ہے۔

دو لڑکیاں تھیں منجملہ ان نو اولاد کے چار تو والد صاحب کے حیات ہی میں انتقال کر گئیں ایک تو میری
دوسری والدہ سے لڑکا تھا جس کا نام عبدالباقی تھا والد صاحب کے حیات ہی میں انتقال کر گیا اور ایک اسکی چھوٹی بہن اور دو
میری بہنیں والد صاحب کے حیات ہی میں انتقال کر گئیں ایک منجھلی اور ایک چھوٹی اور والد صاحب مرحوم
کے انتقال کے وقت ہم پانچ بہن بھائی رہے جو ماشاء اللہ اسوقت تک موجود ہیں۔ دو بھائی ہم یعنی
میں اور صاحبزادہ عبدالوحید خاں صاحب اور دو بہنیں ہماری سگی، ایک اکرم النساء بیگم اور ایک
عصمت النساء بیگم اور ایک میری بہن جو دوسری والدہ سے ہے جس کا نام زاہدہ بیگم ہے اسطرح ہم
پانچ بفضلہ تعالےٰ اسوقت تک حیات ہیں۔ اسمیں سے میری بڑی بہن اکرم النساء بیگم کی شادی تو
صاحبزادہ الیاس علیخاں سے ہوئی ہے جو ریاست ہذا میں بعہدہ قلعداری مامور ہیں اور دوسری بہن کی
شادی صاحبزادہ عبدالشکور خاں صاحب سے ہوئی ہے جو اسوقت چیف مجسٹریٹ صدر ریاست ہذا
ہیں۔ انکی قانونی استعداد بہت اچھی ہے اور یہ لائق اہلکاران میں ہیں اور تیسری بہن زاہدہ بیگم کی شادی
صاحبزادہ احمد سعید خاں سے ہوئی ہے۔ جو ریاست اودے پور میں ملازم ہیں اور عزت سے وہاں
رہتے ہیں۔ انکی بھی علمی لیاقت اچھی ہے۔

ہمارے شہر میں میرے نزدیک سب سے بڑی خرابی اور بربادی کا باعث قرضہ ہے اس کا یہاں عام رواج
ہے۔ شہر والے اور خاندان والے اور زمیندار اکثر اسی میں مبتلا ہیں اور جو قرض دیتے ہیں لیتے

سیٹھان اور مہاجنان اُن کا اِس میں بڑا نفع ہے۔ اگر آج کوئی شخص کسی سیٹھ یا بنئے سے پانچ روپیہ قرض لیلے تو پھر اُس کا چھٹکارا کبھی نہیں ہوسکتا۔ ایک روپیہ کے بجائے پانچ روپیہ بھی پہنچ جانے پر بھی جب حساب کرو اُسی کا فاضل اور باقی نکلتا ہے۔ سود اور سود کا سود اور وعدہ خلافی کا سود اور بھی نہ معلوم کیا کیا حساب نکال کر اپنا ہی باقی رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ جو آدمی ایک دفعہ قرض لیلے اوس کا تاحین حیات اوسکے اُس قرضے سے پیچھا نہیں چھوٹتا بلکہ اُسکی نسل کو بھی دینا پڑتا ہے مگر اب نواب صاحب بہادر حال کے وقت میں ایک قانون بن گیا ہے جس کی وجہ سے اصل سے دوگنا ہوجائے تو کسی قسم کا سود وغیرہ نہیں دلایا جاسکتا اور آیندہ سود بند ہوجاتا ہے۔ یعنے کسی نے اگر ایک روپیہ قرض لیا اُس کا سود وغیرہ ملا کر دو ہوگئے تو پھر دو کے بعد سود بند مثلاً ایک روپیہ کے دو روپیہ اُسے ملجاویں گے زیادہ نہیں۔ اس سے اُمید ہے کہ مقروضوں کو فائدہ ہوگا۔ اور جو قرض دیتے ہیں اُن کو بھی نقصان نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اُن کو بھی ایک کے دو مل جاویں گے مگر دوسری خرابی یہ ہے کہ قرض لینے والے کو دینے کا خیال بھی نہیں ہوتا۔

قطعہ تاریخ کتاب مستطاب تاریخ جملہ حالات ریاست دارالاسلام محمد آباد عرف ٹونک مصنفہ عالیجناب معلی القاب صاحبزادہ محمد عبدالتواب خان صاحب بہادر سالار جنگ بالقابہ دام حشمتہ ہوم ممبر ریاست معہ حذف الصدر

قطعہ تاریخی

عالی گہری رئیس ذی شان | چوں سلک گہر بسفت تاریخ
گنجینہ علم اہل عالم | ہست از پئے جملہ مفت تاریخ
از سیرت راعی و رعایا | صد شکر کہ ہست جفت تاریخ
خاشاک خیال اختتامش | از چہرۂ فکر رفت تاریخ
چوں گشت بنام شہ معنون | ہا ہمچو گل نو شگفت تاریخ
پس از سر افتخار نامش | تاریخ سعید گفت تاریخ

۱۳۵۶ھ

پیش کردہ خاکسار سید امیر حسن سُہا محدث طبیب دربار ٹونک

قطعہ تاریخ نتیجۂ فکر حافظ عبید اللہ صاحب ٹونکی البصیر

تذکرہ اہل ٹونک (محمد آباد) التذکرہ

سنہ ۱۹۳۷ء سنہ ۱۳۵۶ھ

رقم یہ خان بہادر نے آج خود کی ہے
سنہ ۱۹۳۷ عیسوی

کتاب تذکرہ زیبا زبان و لایق دید
سمت ۱۹۹۳ بکرمی

لکھے ہیں ٹونک کے حالات واقعی بالکل
سنہ ۱۳۴۶ فصلی آلہی

بوقت و موسم نیک و بروز گار سعید
سنہ ۱۳۵۶ ہجری قدسی

دیگر

کی رقم کامل فن خان بہادر نے کتاب
سنہ ۱۹۳۷ عیسوی

یعنی مخصوص و معنون ہے باسم نواب
سنہ ۱۳۵۶ ہجری

زیب اخبار بشر نامۂ عبد التواب
سنہ ۱۹۳۷ عیسوی

حال تالیف سے روشن ہے کلام نایاب
سنہ ۱۳۵۶ ہجری

قطعہ تاریخ نتیجۂ فکر حافظ عبید اللہ صاحب نابینا ٹونکی البصیر

ھو البصیر

کی رقم کامل فن خان بہادر نے کتاب

بسنہ ۱۹۳۷ء

اعنی مخصوص و معنون ہے باسم نواب

سنہ ۱۳۵۶ھ

حسن ترتیب مصنف سے ہے گواہ تکمیل

سنہ ۱۹۳۷ء

حال تالیف سے روشن ہے کلام نایاب

سنہ ۱۳۵۶ھ

پس تحریر ہوا زیب اشاعت امروز

سنہ ۱۹۳۷ء

قابل سیر سفر نامۂ عبد التواب

سنہ ۱۳۵۶ھ

۷۸۶

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر نیاز محمد خاں صاحب شیرانی وکیل مہدی باغ ٹونک

لکھا ٹونک کا تذکرہ دل پذیر — فقید المثال و عدیم النظیر

وفا دار اسٹیٹ سالار جنگ — جو ہیں ٹونک کی کونسل کے وزیر

یہ تحفہ انہوں نے مرتب کیا — بصد جانفشانی و صرفِ کثیر

ہوئی فکر تاریخ کی جب نیاز — تو دل نے کہا اے خدائے قدیر

عناصر ہیں جب تک یہ قائم رہیں

کہ تاریخ ہے "عنصرِ دل پذیر"

سنہ ۱۳۵۶ھ

میں کتاب ختم کرنے کے بعد ایک دو بات کی آگاہی کے لئے یہ چند سطریں اور لکھتا ہوں کہ جب میرے والد صاحب مرحوم نے دوسری مرتبہ حج کیا تھا اور انہوں نے روزمرہ کا حال کچھ تحریر فرمایا تھا اُس سب کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کرا کے میں نے خدا کے فضل سے چھپوا دیا ہے اور اُس کا نام "سفر نامۂ سعادت" رکھا ہے اور یہ سفر نامہ خدا کے فضل سے ۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۶ جون سنہ ۱۹۳۴ء چھپ گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ طاعون اور ہیضہ وبائی امراض جب نمودار ہوتے ہیں تو اُن کے لئے کوئی ایسا مجرب علاج نہیں ہے۔ اگر خداوند تعالےٰ چاہے تو صرف اس بات میں کچھ فائدہ ہوتا ہے کہ جس جگہ یہ بیماری ہو اُس جگہ کو فوراً چھوڑ دے یعنے جس مکان میں ہو وہ مکان چھوڑ دے اور اگر کسی شہر میں عام ہو جاوے تو وہ شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جنگل میں یا دوسری آبادی میں چلا جاوے۔ خداوند کریم ان بیماریوں سے ہمیشہ سب مخلوق کو محفوظ رکھے اور ہم کو بھی اپنی عنایت سے محفوظ رکھے۔ آمین اور یہ سب باتیں اُسی حالت میں فائدہ مند ہو سکتی ہیں جب اللہ تعالےٰ کا کرم اور مرضی ہو۔